الزبتھ آئی ویژن ♥ اظہر کلیم

ایک نوجوان کی کہانی، ممکن ہے کسی کا بھلا ہو جائے

جو عشق کے مدعی ہیں، انہیں یہ سبق ضرور یاد رکھنا چاہیے

وہ دونوں ایک ہی فرم میں ملازم تھے۔ ایک کا نام بِل تھا، دوسرے کا نام برکلے۔ بِل اکثر اداس اور پریشان رہتا تھا چنانچہ اُس نے اِس سلسلے میں برکلے سے مشورہ کیا۔ برکلے نے اُسے لاوزا نامی ایک دوشیزہ کا پتہ بتا کے کہا کہ وہ اُس سے مل لے۔ لاوزا ذہنی اور نفسی پیچیدگیوں کی ماہر تھی۔ لوگوں کی ذہنی اُلجھنیں دُور کرنا اُس کا پیشہ تھا۔ بِل نے برکلے کا مشورہ فوراً قبول کر لیا کیونکہ وہ اُس سے بہت مرعوب تھا۔ وہ جانتا تھا کہ برکلے لڑکیوں میں بے حد مقبول ہے اور انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کا ہر گُر جانتا ہے۔ بِل نے بارہا مشاہدہ کیا تھا کہ برکلے جب بھی دفتر میں داخل ہوتا ہے ٹائپسٹ اور کلرک لڑکیاں اپنے کام روک کر اُس کے دل فریب تبسم کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ بِل نے مشورہ لینے کے لیے برکلے کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اُس نے برکلے کو ایک شراب خانے میں مدعو کیا اور پورا ایک پنٹ منگوانے کے بعد اپنا مسئلہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔

اُس کا مسئلہ یہ تھا کہ اُسے ایک دوست دوشیزہ کی ضرورت تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ لڑکیاں اُس سے کتراتی ہوں مگر وہ خود لڑکیوں سے بات کرتے وقت گھبرا جاتا تھا۔ اُسے کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اپنی کسی پسندیدہ لڑکی کے سامنے دلی جذبات کا اظہار کر سکے۔ دفتر میں بہت سی لڑکیاں تھیں اور اُن میں سے بعض اُس سے بے تکلفانہ باتیں کرتی تھیں لیکن وہ جب بھی اُس سے ملتیں، بِل بدحواس ہو جاتا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اُن کے سامنے دل کی بات زبان پر کس طرح لائے۔ برکلے جس جان لیوا مسکراہٹ کا مالک تھا، اُسے اپنانا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں تھا لیکن بِل چاہتا تھا کہ وہ کم سے کم اتنی خود اعتمادی ضرور حاصل کر لے کہ کسی لڑکی سے بات کرتے وقت اُس پر گھبراہٹ طاری نہ ہو۔ برکلے سے اُس نے اپنی اس کمزوری کا ذکر کیا تو اُس نے اُسے یقین دلایا کہ اگر وہ کوشش کرے تو یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ "آخر یہ سب کیسے ہو گا؟" بِل نے دریافت کیا۔

برکلے نے اپنے بٹوے سے مس لاوزا کا کارڈ نکال کے اُسے دکھایا اور میز پر پھینک دیا۔ "تمھیں اپنے مسئلے کے حل کے لیے پچیس گنی فیس ادا کرنی ہوگی لیکن یقین رکھو تمھاری ایک ایک گنی کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔"

بل نے غور سے کارڈ کی طرف دیکھا اور بھویں اُٹھا کر برکلے کی طرف متوجّہ ہوا۔ برکلے کے چہرے پر سنجیدگی کی گہری تہہ جمی ہوئی تھی۔ بل نے محسوس کیا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا ہے۔ پھر بھی شروع شروع میں اُسے قدرے ہچکچاہٹ ہوئی لیکن پھر اُس نے تہیّہ کر لیا کہ وہ مس لاوزا کو ضرور آزمائے گا۔

وہ برکلے کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچا تو اُس کے چہرے پہ گھبراہٹ کے تاثّرات تھے۔ اُس نے دفتروں کی قطار پر ایک نگاہ ڈالی اور گھبرا کر کندھے کے اوپر سے پیچھے دیکھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسے یہاں کوئی دیکھ لے اور اُس کی یہ کمزوری اُس کے واقفوں کو معلوم ہو جائے۔ لاوزا کا دفتر پہلی منزل پر تھا۔ بل نے اُس کے زرد اور گلابی دروازے پر مرتعش ہاتھ سے دستک دی۔ "اندر تشریف لے آئیے۔" ایک دل کش نسوانی آواز اُبھری۔

بل نے جلدی سے ٹائی کی گرہ درست کی اور دروازہ کھولا۔ ایک سرو قد، پُروقار اور حسین لڑکی نہایت بیش قیمت سوٹ میں اس کے استقبال کے لیے کرسی سے اٹھی۔ بل دل میں اُس کے خوب صورت چہرے کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"مزاج اچھا ہے جناب؟" لڑکی نے اپنے لبوں پر ایک قاتل مسکراہٹ بکھیر لی۔

"آ..... آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" بل کی زبان لڑکھڑا گئی۔ "مم..... میرا نام بل ہے... مم..... میرے ایک دوست نے مجھے یہاں آکر آپ سے ملنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس لیے....."

"بیٹھ جائیے مسٹر بل! میرا نام لاوزا ہے۔ کیا آپ کو میری خدمات کی ضرورت ہے؟ میں مشورے دینے کے علاوہ ایک ادارہ بھی چلاتی ہوں۔ میرا ادارہ نوجوانوں کو پُرکشش اور جاذبِ نظر بننے کے طریقے سکھاتا ہے۔"

"آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا۔" بل نے اٹکتے ہوئے کہا۔ یہ جملہ کہنے سے پہلے اُس نے کئی بار جوتوں کے تلے فرش پر رگڑے تھے۔ "بات دراصل یہ ہے مس کہ میں نے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی ہے معمولی پڑھا لکھا آدمی ہوں اور میری آمدنی بھی کم ہے اس لیے جب میں کسی لڑکی سے ملتا ہوں اور اُس سے بات چیت کا موقع آتا ہے تو....."

"میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" لاوزا نے نرم لہجے میں کہا۔ "ایسے موقعوں پر گفتگو کرتے وقت خود اعتمادی کا فقدان ہمیشہ پریشان کن ہوتا ہے۔ بہرحال آپ فکر نہ کیجیے میرا ادارہ لوگوں کی ایسی ہی اُلجھنیں دُور کرنے کا فرض انجام دیتا ہے۔"

بل نے اثبات میں سر ہلایا اور رومال نکال کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ لاوزا اپنی ڈائری میں ابتدائی اندراجات کرنے لگی تھی۔ بل چند لمحوں تک اُس کی دُبلی پتلی، گلابی اُنگلیاں گھورتا رہا۔ پھر اُس نے گھبرا کے نگاہ ہٹائی اور پائپ نکال لیا۔ لاوزا نے اچانک نظر اُٹھا کے اُس کی طرف دیکھا۔ بل نے جلدی سے پائپ دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ لاوزا مسکرا کے بولی۔ "میرا خیال ہے مسٹر بل کہ آپ کو مجھ سے باقاعدہ درس لینا ہوگا۔ اگر آپ سہولت محسوس کریں تو میں ہفتے میں دو بار جمعے اور منگل کو آپ کے لیے وقت نکال سکتی ہوں۔"

"بہتر ہے۔" بل نے جلدی سے کہا۔ "یہ دونوں دن میرے لیے فرصت کے ہیں۔"

پہلے منگل کو بل لاوزا کے پاس جانے سے قبل دیر تک اُلجھتا رہا کہ اس پہلی ملاقات میں اُسے کیا پہننا چاہیے؟ آخر اُس نے بادامی ٹائی، چیک کا جیکٹ اور سبز موزے چُن لیے۔

مس لاوزا کا استقبال گرم جوشی سے بھرپور تھا۔ ایک لمحے کے لیے بل کو شدید غلط فہمی کا شکار ہونا پڑا۔ اُس نے سوچا کہ شاید یہ حسینہ اُس سے متاثر ہوگئی ہے مگر جیسے ہی وہ خوب صورت اُستانی اُس سے مخاطب ہوئی، بل کی خوش فہمی کافور ہوگئی۔ لاوزا نے کہا۔ "مسٹر بل! سب سے پہلے میں آپ سے آپ کے پہناوے کے متعلّق بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کو میری تنقید سے حوصلہ شکنی محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ آپ جیسے پُرکشش نوجوان کو سبز موزے اور بادامی ٹائی استعمال نہیں کرنی چاہیے میرا اندازہ ہے کہ لڑکیاں یہ دونوں رنگ پسند نہیں کرتیں۔" بل ہونقوں کی طرح اُس کی صورت دیکھتا ہوا اثبات میں سر ہلانے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"اس کے علاوہ آپ کو اپنا پائپ سامنے کی جیب میں نہیں رکھنا چاہیے۔ اس جیب میں آپ ایک سفید تہہ کیے ہوئے رُومال کے سوا کچھ نہ رکھا کیجیے۔ خیال رہے کہ رُومال کا تکونی کنارا دُور سے جھانکتا ہوا دکھائی دے۔" بل گہری توجّہ سے یہ ہدایات سنتا رہا۔ لاوزا اُسے درس دیتی رہی۔

بل نے اپنی دانست میں پہلے ہی روز ایسی بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں جنھیں لڑکیاں عموماً پسند نہیں کرتیں۔ جب وہ وہاں سے باہر نکلا تو لاوزا کی ہدایتیں زیرِ لب دُہرا رہا تھا۔ "کیسا مزاج ہے مس ایلن؟ شام بخیر مس ایلن!" چلتے چلتے اُس کا پاؤں ایک پولیس والے کے پاؤں پر پڑا۔ اُس نے بے ساختہ کہا۔ "میں آپ سے معافی چاہتا ہوں مس ایلن!" وہ تیز تیز چلتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن دیر تک اُسے یہ احساس رہا کہ پولیس والا اپنے لیے مس ایلن کا نام استعمال کرنے پر اُسے بُری طرح گھور رہا ہے۔

مس لاوزا سے درس لیتے ہوئے اُسے ایک ہفتہ گزر گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ وہ دل جمعی سے وہاں جاتا رہا۔ مہینے پہ مہینے گزرتے رہے۔ چند مہینوں بعد مس لاوزا نے اُس کے لیے

بل کے بجائے ولیم کا نام تجویز کیا۔ بل کو نام بدلنے میں تامل ہوا۔ لاؤزا نے اُسے سمجھایا کہ لڑکیاں اس نام سے بہت گھبراتی ہیں کیونکہ بلوں کی لڑائی ایک کٹھن کام ہے، اسے صرف مردوں تک محدود رہنا چاہیے۔ اس جواز کے بعد بل نے بل کے بجائے ولیم بن جانا بے حد ضروری سمجھا۔ نام کی تبدیلی کے دوسرے روز وہ دفتر پہنچا تو اُس کی شخصیت بھی بدل چکی تھی۔

اُس نے گہرے رنگ کا ایک سوٹ خریدا اور اُسی سے ملتی جلتی ٹائی اور موزے لیے۔ لاؤزا کی ہدایتوں نے اُس پر بہت اثر کیا تھا۔ اب وہ لڑکیوں کی موجودی میں اُن کی اجازت حاصل کیے بغیر پائپ نہیں پیتا تھا اور لاؤزا کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ رقصاں ہو جاتی تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود تنہائی میں لڑکیوں سے بات کرنا اُس کے لیے اب بھی بہت کٹھن مرحلہ تھا۔ یہ ایک عجیب بات تھی کیونکہ اُس نے لاؤزا کے ساتھ تنہائی میں لڑکیوں سے بے تکلفانہ گفتگو کرنے کی کئی بار ریہرسل کی تھی۔ وہ رہ رہ کے سوچتا تھا کہ اُس سے یقیناً کوئی غلطی یا کوئی بھول ہو گئی ہے لیکن کیا؟

📖

دسویں مہینے کا ذکر ہے۔ بل نے ایک روز لاؤزا کی ہدایات پر غور کرنے کے بعد آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ پھر انتہائی نفرت سے اپنی سفید قمیص چاک کر دی اور گہرے رنگ کا نیا سوٹ پھاڑ کے پھینک دیا۔

اُس شام وہ انھی کپڑوں میں لاؤزا کے پاس پہنچ گیا جو وہ پہلے دن پہن کے گیا تھا۔ اُس نے انتہائی گستاخانہ انداز میں ایک دھماکے سے دروازہ کھولا اور دندناتا ہوا اندر گھس گیا۔ لاؤزا نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ بادامی ٹائی باندھے ہوئے تھا۔ جیکٹ چیک کا تھا اور موزے سبز تھے۔ "اوہ مسٹر ولیم" لاؤزا نے قدرے خفا ہو کے کہا۔ "غالباً میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ......"

"میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے کیا سکھایا ہے۔ بس کرو تم مجھے بہت سکھا چکیں۔ اب میں تمھیں کچھ سکھانا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے تمھارا درس اوروں کے لیے کارآمد ہوتا ہو لیکن میرے لیے قطعی بے کار ثابت ہوا ہے۔"

"آپ کو خود اعتمادی کی ضرورت ہے مسٹر ولیم!" لاؤزا نے کہا۔

"ہاں لاؤزا! بے شک مجھے خود اعتمادی کی ضرورت ہے لیکن خود اعتمادی سے زیادہ مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ کیا تمھیں مجھ میں کوئی خامی نظر آتی ہے؟" اُس نے براہِ راست لاؤزا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ لاؤزا چند لمحوں تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے گھورتی رہی پھر اُس کے رخساروں پر حیا کی سرخی پھیل گئی اور اُس نے بے تابی سے بل کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

حرکتوں سے بے نیاز تھا اور اپنی انگلیوں کے ناخنوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس نے ایک دم ناخنوں سے توجہ ہٹا کے بڑھیا کی طرف دیکھا۔ پھر اُس لڑکے کو حکم دیا جو میز سے ٹکرایا تھا۔ "خاتون کے لیے کافی کی دُوسری پیالی لائی جائے۔"

لڑکا کھل کھلا کے ہنس پڑا لیکن شاید ہالام کا حکم ٹالنا اُس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ کاؤنٹر پر آیا، اُس نے بوڑھے سے کافی طلب کی اور پیالی لے جا کے بڑھیا کے سامنے رکھ دی۔ ہالام نے شاہانہ انداز میں بڑھیا کو کافی پینے کا اشارہ کیا مگر اسی اثنا میں ایک اور لڑکے کی ٹانگ کام کر گئی اور پیالی ایک بار پھر فرش پر گر کے چکنا چور ہو گئی۔ "دوسری پیالی لاؤ۔" ہالام غرّایا۔ اس بار اُس کا لہجہ انتہائی خطرناک تھا۔

"لیکن ؟......" قصوروار لڑکے نے کچھ کہنا چاہا۔

"بکواس بند کرو۔ جو کہا گیا ہے، وہ کرو۔" ہالام نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔ اُس کے لہجے میں عجیب تاثر تھا۔ میری ریڑھ کی ہڈّی سن سنانے لگی۔ دوسرا لڑکا بُرا سا منہ بناتے ہوئے کاؤنٹر پر آیا اور کافی لے کے واپس چلا گیا۔

ہالام بڑھیا کی طرف جھکا۔ "ان لڑکوں کو معاف کر دینا ماں! دراصل ہم لوگوں کی تربیت ٹھیک نہیں ہوئی ہے۔"

"زبان بند رکھو۔" بڑھیا ہذیانی انداز میں چیخی۔ "تم غنڈے ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم ان کے سرغنہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تربیت بھی تم ہی کرتے ہو۔ یہی سکھایا ہے تم نے ؟"

"کافی پیو ماں! میں عموماً یہ ملامتیں سُن کر محظوظ ہوتا ہوں لیکن اس وقت میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں تمھیں دیکھ لوں گی۔" بڑھیا نے پیالی ہالام کے منہ پر دے ماری اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہُوئی باہر نکل گئی۔ ہالام کے منہ سے قہقہہ نکل گیا۔ ایک لڑکے نے لپک کے بڑھیا کو پکڑنا چاہا لیکن ہالام نے ہاتھ اُٹھا کے اُسے روک دیا۔

میں نے جھک کے کاؤنٹر والے بوڑھے سے کہا۔ "دیکھو، میں تم سے کہہ رہا تھا نا کہ اس لڑکے میں کوئی نہ کوئی اچّھی بات ضرور ہوگی۔"

تین پیالیاں ٹوٹ جانے سے بوڑھے کا منہ بگڑ گیا تھا۔ اُس نے ناگواری سے کہا۔ "ہاں۔ یہ حرکت اگر بڑھیا کے بجائے کسی اور نے کی ہوتی تو اُس کی گردن یقیناً ٹوٹ جاتی۔" اُس نے ایک سرد آہ بھری۔ "بوڑھی عورتوں کے متعلّق ہالام کا رویّہ واقعی حیرت انگیز ہے۔"

میں نے کافی ختم کی اور بل ادا کر کے باہر نکل آیا۔ بس کا وقت ہو گیا تھا۔ میں تیزی سے بس اسٹاپ کی طرف بڑھ گیا۔

کوئی ایک مہینے بعد پھر یہ اتّفاق ہُوا کہ میری بس نکل گئی اور مجھے آدھا گھنٹہ گزارنے کے لیے سلو کیفے میں جانا پڑا۔ کیفے میں داخل ہوتے ہی میں نے محسوس کر لیا کہ آج ہالام موجود نہیں ہے البتّہ اُس کے دوسرے دوست دکھائی دے رہے تھے۔ ایک تعجب خیز بات اور نظر آئی۔ ہالام کے گروہ کے لڑکے آج میزوں پر ٹانگیں پھیلا کر نہیں بیٹھے تھے اور اُن کے اطوار سے بھی بدمعاشی یا غنڈا گردی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ غالباً ہالام کی غیر حاضری کے باعث ایسا ہو۔ سردار موجود نہ ہو تو فوج خود کو قابو میں رکھتی ہے۔ میں سیدھا کاؤنٹر پر پہنچا۔ کاؤنٹر والے بوڑھے نے مجھے فوراً پہچان لیا۔ "کیوں جناب!" میں نے اُس سے کہا۔ "آج آپ کا پُرانا دوست ہالام دکھائی نہیں دے رہا ہے ؟"

بوڑھا چند لمحوں تک گہری نگاہ سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اُس کے ہونٹ مسکراہٹ سے پھیل گئے۔ "ہالام اب دس مہینے سے پہلے دکھائی نہیں دے سکتا۔"

"کیوں ؟" میں نے حیرت سے دریافت کیا۔

"اُس کے ساتھ ایک عجیب حادثہ پیش آگیا ہے۔" بوڑھے نے کاؤنٹر کے نیچے سے ایک تہہ کیا ہوا اخبار نکال کے میرے سامنے رکھ دیا۔ "لیجیے آپ خود پڑھ لیجیے۔"

میں نے اخبار پڑھا۔ ہالام کو دس مہینے کی قیدِ بامشقّت کی سزا ہُوئی تھی۔ خبر کے مطابق وہ ایک مکان میں نقب لگاتے ہوئے رنگے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔ خبر کے نیچے ہالام کا بیان بھی شائع ہُوا تھا۔ بیان میں اُس نے نقب زنی کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ "شہر کے ایک مکان کے باہر ایک بڑھیا بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اتفاقاً میں وہاں سے گزرا۔ میں نے بڑھیا سے اُس کی پریشانی کی وجہ معلوم کی۔ بڑھیا نے بتایا کہ یہ اُسی کا مکان ہے مگر وہ مکان کی چابیاں اندر بھول گئی ہے اور تالا لگا ہُوا ہے اس لیے وہ اندر جانے سے قاصر ہے۔ اُس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس سلسلے میں اُس کی مدد کروں۔ چنانچہ میں نے اُس کی مدد کی اور مکان میں داخل ہونے کے لیے اپنا مخصوص طریقہ اختیار کیا۔ یہ میرے لیے ایک معمولی کام تھا۔ ویسے بھی مجھے یہ اطمینان تھا کہ مکان کی مالکہ نے خود مجھ سے اپنے مکان میں داخل ہونے کی درخواست کی ہے لیکن جب میں اندر گھسا تو انکشاف ہُوا کہ بڑھیا نے جھوٹ بولا تھا۔ یہ مکان اُس کا نہیں، کسی اور کا تھا۔ میں دندنانہ اندر پہنچا تو وہاں کے مکینوں نے مجھے پکڑ لیا۔ میں نے انھیں صورتِ حال سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ خوف زدہ اور حواس باختہ ہو گئے تھے اس لیے انھوں نے مجھے دھکیل کے ایک کمرے میں بند کر دیا اور فوراً پولیس کو اطّلاع دے دی۔ تھوڑی دیر بعد پولیس نے پہنچ کے مجھے حراست میں لے لیا۔ میں نے ایک سپاہی کو بڑھیا کے متعلّق بتایا اور اُس کی نگرانی میں باہر پہنچ کے اُسے تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ کہیں نظر نہیں آئی۔
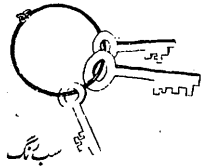
وہ کہانیاں جو صرف مغرب میں لکھی جاتی ہیں!

خاص کہانی کے اِن صفحات کی تمام روایتوں کے مطابق

ایک نوجوان کی کہانی جس کی بیوی اُس سے ناراض تھی

وہ دو گھنٹے سے اسٹور میں گھسا ہوا ہے وہاں نہ جانے کیا کر رہا ہے؟ اُس کی بیوی سیو نے غصّے سے سوچا۔ سیو باورچی خانے میں تھی۔ ناشتے کے برتن دھونے اور باورچی خانہ صاف کرنے کے بعد اب وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ اُس کا شوہر فان اسٹور میں کیا کر رہا ہے۔ وہ یہ بات تو کسی حد تک سمجھ رہی تھی کہ فان کوئی چیز تلاش کر رہا ہوگا لیکن یہ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کون سی چیز تلاش کر رہا ہے۔ اُس نے سوچا کہ فان یقیناً کوئی ایسی چیز ڈھونڈ رہا ہے جو اسٹور کے بے ترتیب سامان میں کہیں دَب گئی ہے۔

فان کو اسٹور میں گئے ہوئے واقعی دو گھنٹے ہوئے ہیں یا نہیں؟ سیو کو اس کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ اُسے تو فان سے ایک لمحے کی دوری بھی گوارا نہیں تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ فان صرف پندرہ منٹ پہلے اسٹور میں گیا تھا اور سیو کو یہ پندرہ منٹ بہت طویل مدّت محسوس ہوئی تھی۔ فان اسٹور میں جیک

تلاش کر رہا تھا تاکہ اپنی کار کی مرمت کرنے کے لیے اُسے جیک پر کھڑی کر سکے۔ اُس نے مرمت کے دوسرے اوزار تلاش کر لیے تھے لیکن جیک نہ معلوم کہاں دب گیا تھا۔ اُس کے پاس کسی کباڑی سے خریدا ہوا ایک پرانا جیک تھا۔ یہ پرانا جیک استعمال کرنے کی اُسے کبھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اس لیے اب اُسے یاد نہیں رہا تھا کہ وہ کہاں رکھا ہے۔ اسٹور میں بتی نہیں تھی۔ صرف ایک چھوٹا سا روشن دان تھا۔ روشن دان سے آتی ہوئی سورج کی شعاعیں اسٹور کی تاریکی پوری طرح دُور نہیں کرتی تھیں۔ گویا وہ ملگجے اجالے میں اوزار تلاش کر رہا تھا۔

آخر پرانا جیک مل گیا۔ فان نے ایک طویل سانس لے کے آستین سے اپنی بھیگی ہوئی پیشانی صاف کی۔ اوزاروں کی دھول اور سیاہی اُس کی آستین پر لگ گئی تھی۔ پسینہ پونچھتے وقت وہ چہرے پر بھی منتقل ہو گئی۔ پھر وہ اسٹور سے باہر نکلا تو سیو نے غصے سے اُس کی طرف دیکھا۔ "تمھیں اِس کاٹھ کباڑ کی تو اتنی پروا ہے اور میری کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ تم خود کو ہر وقت مصروف رکھنے کے عادی ہو۔ کیا تمھاری مصروفیات میں مَیں شامل نہیں ہوں؟ کیا تمھارے پاس میرے لیے بالکل وقت نہیں ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تم کار کی مرمت کرنے جا رہے ہو۔ اُسے تم کار کہتے ہو کار، حالانکہ وہ صرف کاٹھ کباڑ کا مجموعہ ہے۔ اِس کھٹارے کا تو تمھیں اتنا دھیان رہتا ہے اور بیوی کی طرف دیکھنے تک کی فرصت نہیں ہے۔"

"تمھیں تو ہر وقت بس بہانے کی تلاش رہتی ہے تاکہ مجھ سے لڑ سکو۔" وہ زیرِ لب مسکرایا۔

"میں کیا دیوانی ہوں جو خواہ مخواہ لڑوں گی۔" وہ چیخی۔ "تم لڑنے کا موقع ہی کیوں دیتے ہو؟"

"موقع نکالنا تو تمھارا دل پسند مشغلہ ہے ڈارلنگ!" اُس نے شریر نگاہ سے بیوی کی طرف دیکھا۔ "بھلا بتاؤ یہ بھی کوئی لڑنے کا موقع ہے۔ میں کار کی مرمت......"

"جہنم میں جائے تمھاری کار اور اُس کی مرمت۔" اُس نے پاؤں پٹخ کے باورچی خانے کا دروازہ ایک دھماکے سے بند کر لیا۔ فان کارڈ بورڈ کا ڈبا اُٹھاتے ہوئے سیڑھی پر کھڑا رہ گیا۔ اُس نے کھلی ہوئی کھڑکی سے جھانک کر باورچی خانے میں دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے سیو سے اُس کی آنکھیں ٹکرائیں۔ سیو نے ہونٹ سکوڑ کے منہ پھیر لیا۔

فان خوش دلی سے مسکرا دیا۔ اُسے اپنی بیوی غصے میں بہت حسین لگتی تھی۔ وہ اُسے بے حد چاہتا تھا لیکن مصروفیت کی وجہ سے چاہت کے اظہار کا موقع کم ملتا تھا۔ غالباً اسی لیے سیو یہ محسوس کرتی تھی کہ وہ اُسے مسلسل نظر انداز کر رہا ہے۔ وہ اُس کی مصروفیات سے چڑنے لگی تھی۔ "ٹھیک ہے۔" فان نے بے پروائی سے کندھے اُچکائے۔ "اس وقت کچھ فرصت ہے، بہتر ہو گا کہ میں وہ کام مکمل کر لوں، جو ایک عرصے سے ادھورا پڑا ہے۔" اُسے خیال آیا کہ اُس کی بیوی کو اسپورٹ کار پسند ہے۔ پھر اُس نے اپنی کار کے متعلق سوچا کہ بے شک وہ ایک پرانی کار ہے اور اُس کے پہیوں میں جال آ گئی ہے، آئل پریشر کم ہو گیا ہے۔ اِس کے علاوہ کئی چھوٹی موٹی خرابیاں اور ہیں لیکن یہ خرابیاں مرمت کر کے درُست کی جا سکتی ہیں۔

اُس نے کار لکڑی کے گیراج سے دھکیل کے باہر نکالی اور گھر کے سامنے سڑک کے دوسری طرف بجری اور سیمنٹ کے فرش پر کھڑی کر دی۔ یہ جگہ اُس کے گھر سے بے حد قریب تھی۔ اُس نے کار کے پچھلے پہیوں کے نیچے ایک ایک اینٹ رکھی اور سامنے کی طرف جیک لگا کے گاڑی فرش سے اوپر اٹھا دی۔ گاڑی فرش سے اُٹھ گئی تو اُسے سامنے کے پہیے نکالنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اُس نے اُنھیں گاڑی سے الگ کر دیا۔

ڈبے نکال کے اُس نے گاڑی کے نیچے رکھے۔ ہر ڈبے میں مختلف اوزار یک جا تھے۔ فان نے چند خالی ڈبے پیٹرول کی ٹنکی کے نیچے رکھے اور ٹنکی سے سارا پیٹرول نکال لیا۔ ٹنکی کے تمام نٹ آسانی سے کھل گئے تھے۔ ایک نٹ تو بہت جلدی کھل گیا تھا مگر آخری نٹ کچھ ضدی نکلا۔ وہ چھوٹے پیچ کس سے نہیں کھلا تو فان کو پلاس استعمال کر کے اُسے الگ کرنا پڑا۔ اب اُسے رینچ کی ضرورت تھی۔ اُس نے گاڑی کے نیچے لیٹے لیٹے ہاتھ اِدھر اُدھر گھمایا اور رینچ تلاش کرنے لگا۔ اسی اثنا میں اُسے ایک پیاری سی آواز سنائی دی۔ "ہیلو!"

اُس نے سر گھما کے دیکھا تو اُسے دو ننھے ننھے جوتے نظر آئے۔ جوتوں پر خوش نما بٹن لگے ہوئے تھے۔ فان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہیلو کلیر!" اُس نے ہنس کر کہا۔ "کیسی ہو؟ کیا کر رہی ہو؟"

کلیر محلے کی ایک ننھی بچی تھی۔ وہ ایک ٹائر پہ بیٹھ گئی۔ یہ ٹائر فان ہی نے گاڑی سے الگ کر کے کار کے سامنے رکھا تھا۔ ٹائر پر بیٹھنے کے بعد ننھی کلیر نے سر جھکایا۔ غالباً وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ فان گاڑی کے نیچے لیٹا ہوا کیا کر رہا ہے۔ اُس نے اپنا سر اِس حد تک جھکا لیا کہ وہ فرش سے مَس ہونے لگا۔ اب وہ فان کا چہرہ آسانی سے دیکھ سکتی تھی۔ اُس نے فان کے چہرے پر سیاہی لگی ہوئی دیکھی تو کھل کھلا کے ہنس پڑی۔ "انکل! انکل! آپ کیا کر رہے ہیں انکل؟"

"یہ تم کہاں بیٹھ گئیں کلیر! پیاری بچی! تمھارے کپڑے خراب ہو جائیں گے، چلو اٹھو، شاباش۔"

"دیکھیے انکل میرے پاس کیا ہے۔" کلیر نے فان کی ناک کے سامنے ربڑ کی ایک سرخ گیند لہرائی۔

"واہ واہ یہ تو بڑی خوب صورت گیند ہے کہاں سے لائی ہو؟ مجھے دے دو۔"

"واہ! اپنا لا ہوں دے دوں؟ میری گیند ہے میرے ڈیڈی لائے ہیں"۔
"مداخلت مت دو۔ ہم اس سے اچھی گیند لے آئیں گے"۔ یہ کہہ کے فان پھر کار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سپیڈ دل کی ٹنکی کا ایک نٹ ٹوٹا ہوا تھا۔ اُس نے ٹوٹا ہوا نٹ نکالنے کے لیے رینچ ٹٹولا۔ رینچ اُس کے ہاتھ سے ٹکرایا۔ اُس کی پوری توجہ ٹوٹے ہوئے نٹ کی طرف مرکوز ہو گئی وہ اُسے رینچ کی مدد سے گھما کر کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

کلیر نے اُسے گیند کی طرف متوجہ نہیں دیکھا تو اُس کا منہ بن گیا۔ شاید وہ اپنی گیند کی اور تعریف سننا چاہتی تھی۔ اُس نے ایک بار پھر فان کو مخاطب کیا۔ "انکل! میری گیند دیکھیے"۔ دیکھیے کا لفظ اُس نے کھینچ کے ادا کیا۔

"بعد میں دیکھوں گا کلیر"۔ فان ٹوٹے ہوئے نٹ سے الجھا رہا۔

ننھی کلیر نے چڑ کے گیند اُس کے چہرے کی طرف اچھالنے کی کوشش کی لیکن گیند اُس کی انگلیوں کی گرفت سے نکل گئی اور فان کے قریب سے لڑھکتی ہوئی گاڑی کے بالکل نیچے چلی گئی "ہا، میری گیند نیچے چلی گئی۔ میری گیند نیچے چلی گئی۔ ذرا اٹھا دیجیے انکل!"

"ایک منٹ انتظار کرو"۔ فان نے کہا "یہ نٹ نکال لوں پھر اٹھا دیتا ہوں"۔ اُس نے رینچ ایک بار پھر نٹ پر جمایا اور زور لگانے لگا مگر نٹ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ رینچ بار بار نٹ کے پہلوؤں میں پھسل کر گولائی میں گھوم جاتا تھا۔ فان نے رینچ اچھی طرح کس دیا پھر رینچ کے دندانے نٹ کی کچی دھات میں پوری طرح پھنس گئے تو اُس نے قوت لگانی شروع کر دی۔

"اٹھا دیجیے نا۔ میری گیند اٹھا دیجیے"، کلیر نے اصرار کیا۔

نٹ قوت لگانے کے باوجود اپنی جگہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا مگر کلیر یہی رٹ لگائے جا رہی تھی کہ گیند اٹھا دیجیے، گیند اٹھا دیجیے۔ فان کو کلیر بہت پیاری لگتی تھی مگر اُس کے بے وقت اصرار پر اُسے جھنجلاہٹ محسوس ہوئی۔ وہ نٹ سے الجھا ہوا تھا اور نٹ کھولنے میں اُسے پے در پے ناکامی ہو رہی تھی پھر بھی اُس نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے نہایت نرمی سے کہا "ابھی دیتا ہوں کلیر! ابھی دیتا ہوں تم اتنی بے تاب کیوں ہو رہی ہو؟ اور ہاں، کیا تمھاری ممی کو معلوم ہے کہ تم اس وقت کہاں ہو؟"

وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ گاڑی کے نیچے تھوڑا سا اور پیچھے ہٹ جائے تو نٹ پر زیادہ زور لگا سکتا ہے چنانچہ اُس نے اپنی ایڑیاں فرش پر جمائیں اور پیچھے کی طرف سرکنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں اُس کی قمیص کا ایک بٹن ٹوٹے ہوئے نٹ سے الجھ گیا۔ فان کو مجبوراً اُسی جگہ رُک جانا پڑا۔

"میری گیند دے دیجیے نا"، کلیر نے ضد شروع کر دی "انکل! کیا آپ میری گیند سے کھیلنے لگے ہیں؟ لائیے، مجھے دیجیے میری گیند"۔

فان نے سُنی اَن سُنی کر کے اپنا ایک ہاتھ آزاد کیا اور الجھا ہوا بٹن نٹ سے نکالنے لگا۔ اب تک اُس کے دونوں ہاتھ رینچ کے دستے پر جمے ہوئے تھے لیکن قمیص چھڑانے کے لیے ایک ہاتھ اُس نے ہٹا لیا تھا۔ اُس نے قمیص کو جھٹکا دیا تو اُس کے دوسرے ہاتھ کا بوجھ رینچ کے دستے پر بڑھا اور نٹ کو شدید جھٹکا لگا۔ یہ جھٹکا پوری کار کو برداشت کرنا پڑا اور اس کا اثر جیک پر بھی پڑا۔ فان کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔ "پیچھے رہو، پیچھے رہو"، اُس نے بچی سے کہا۔ بچی اپنی گیند دیکھنے کے لیے گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل فرش پر جھک گئی تھی۔ "پیچھے رہو"، فان نے پھر کہا۔ اُس کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ بچی چپ چاپ پیچھے ہٹ گئی اور دوبارہ ٹائر پر جا بیٹھی۔ فان کی قمیص بری طرح نٹ میں الجھی ہوئی تھی اور چونکہ وہ ٹینک کے نیچے سے ہٹ گیا تھا اس لیے اُس کا چہرہ نٹ کے بجائے ٹینک کے آخری حصے سے بھی کچھ دور تھا۔ اب وہ یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ قمیص کیسے الجھی ہوئی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اُسے الجھاؤ کی نوعیت نظر آ جائے تو قمیص چھڑانا آسان ہو جائے گا۔ اُس کے سر کے اوپر بہت ذرا سی جگہ تھی لہٰذا اب وہ صرف سر اٹھا کے ٹنکی کی طرف دیکھ سکتا تھا۔ اُس کے ذہن میں

ایک

پادری نے ایک شخص سے پوچھا کہ تم گرجا سے کتنی دور رہتے ہو اور کتنی دیر میں گرجا پہنچ سکتے ہو؟ اُس آدمی نے ترتیب سے دونوں سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا (۱) آدھے میل (۲) تین گھنٹے۔

اوپیرا

کا مشہور گلوکار رچرڈ ٹکر ایک بینک میں سوڈالر کا چیک بھنوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بینک میں اُسے کوئی پہچانتا نہیں تھا اور نہ اُس کے پاس اپنی شناخت کا کوئی ثبوت تھا۔ بینک منیجر نے اُس سے کہا "میں آپ کو صرف اس صورت میں رچرڈ ٹکر تسلیم کر سکتا ہوں کہ آپ مجھے کچھ گا کر سُنائیں"۔

ٹکر نے چیک اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا "اگر میں صرف سو ڈالر کے لیے آپ کو کچھ گا کر سناؤں تو آپ کو یقین کر لینا چاہیے کہ میں رچرڈ ٹکر نہیں ہوں"۔

کیلیفورنیا

کا واقعہ ہے۔ ایک بوڑھی عورت نے دیکھا کہ ایک نوجوان شخص اپنی گاڑی کی چابیاں اگنیشن میں چھوڑ کر بینک میں گھس گیا ہے۔ بوڑھی عورت نے اگنیشن سے چابیاں نکالیں اور اُس کے پیچھے پیچھے بینک میں داخل ہو گئی۔ نوجوان شخص بینک کے خزانچی سے گفتگو کر رہا تھا۔ عورت نے قریب پہنچ کے اُس کا شانہ ہلایا اور کہا "نوجوان یہ لو اپنی چابیاں۔ اگر تم انھیں اسی طرح بھولتے رہے تو اپنی کار سے بہت جلدی ہاتھ دھو بیٹھو گے"۔

نوجوان شخص خزانچی کو پستول دکھا کر اس امر پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ ساری رقم اُس کے تھیلے میں ڈال دے۔ بوڑھی عورت کی آواز سن کے وہ ایک جھٹکے سے مُڑا، اُس نے مذمت کی نگاہ سے عورت کو دیکھا، ایک دم چابیاں جھپٹیں، پستول جیب میں ڈالا اور بجلی جیسی تیزی سے فرار ہو گیا۔

رحمت اللہ کا تحفہ

یہ بات بھی گھوم رہی تھی کہ جیک کچھ اور اوپر اٹھا دینا چاہیے تھا تاکہ اسے گاڑی کے نیچے کھسکنے اور سرکنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔

"آپ کیا کر رہے ہیں انکل؟" کلیر خاموش نہ رہ سکی۔ غالباً اُس کے دماغ سے وقتی طور پر گیند کا خیال نکل گیا تھا۔

فان ابھی تک قمیص چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور اب پیٹرول کی ٹنکی اُسے اپنے سینے پر کسی شہتیر کی طرح محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیسی عجیب بات ہے۔ قمیص ایک نٹ میں الجھ گئی ہے اور اُس کی وجہ سے وہ گاڑی کے نیچے قید ہو گیا ہے۔ مجھے قمیص کی قربانی دینی ہی پڑے گی۔ اُس نے خود کو سمجھایا اور خالی ہاتھ سے قمیص کا جتنا کپڑا ہاتھ میں آیا، اُسے جکڑ کے کھینچنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے یکایک اُسے احساس ہوا کہ وہ کیا کر رہا ہے، یہ کیا ہو رہا ہے۔ کار آہستہ آہستہ نیچے بیٹھ رہی تھی۔

غالباً پرانا جیک کار کا بوجھ اور جھٹکے برداشت نہیں کر سکا تھا اسی لیے فان کار کے نیچے دَبنے لگا۔

اُس کے ذہن پر اچانک خوف حملہ آور ہوا اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُس نے دیوانہ وار کوشش کی کہ وہ کار کے نیچے دَبنے سے محفوظ رہے لیکن کار اُس کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتار ثابت ہو رہی تھی، رفتہ رفتہ وہ کار کے بوجھ سے دب گیا اور اس حالت میں پھنسی ہوئی قمیص کی وجہ سے اُس کے لیے حرکت کرنا ممکن نہیں رہا۔ وہ فوراً ساکت و صامت ہو گیا اور غور کرنے لگا کہ اس ناگہانی اُفتاد سے محفوظ رہنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ وہ پچھتانے لگا کہ کاش اُس نے کار کے اگلے حصے کے نیچے بھی ایک ایک اینٹ رکھ دی ہوتی۔ اب وہ بہت خطرناک مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ جیک ٹھیک سے کام نہیں کر رہا ہے فان نے کرب سے سوچا، جیک میں یقیناً کوئی خرابی ہے۔

وہ دھیرے دھیرے کار کے نیچے اور زیادہ، اور زیادہ دبتا جا رہا تھا۔ پھر اُس نے ذرا سی حرکت کی تو اُسے محسوس ہوا کہ اگر اب بھی قمیص آزاد ہو جائے تو وہ کوشش کر کے کسی نہ کسی طرح سرک کے، سمٹ کے کار کے نیچے سے نکل سکتا ہے لہٰذا وہ اپنی قمیص دائیں بائیں جھٹکنے لگا اور اُس کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ یہ اطمینان کی سانس تھی قمیص نٹ سے نکل کے آزاد ہو گئی تھی۔

اگرچہ کار انتہائی آہستگی سے زمین پر بیٹھ رہی تھی لیکن اب فان کے پاس نکلنے کا موقع نہیں رہا تھا اُس نے دائیں بائیں کروٹ لینے کی کوشش کی، ایک دو بار ایڑیوں کے بل زور لگایا لیکن یہ کوشش بھی کامیاب ہونے کے بجائے الٹی زحمت کا باعث بن گئی پیٹرول کی ٹنکی کا نچلا حصّہ اُس کا سینہ بھینچے دے رہا تھا۔ اُسے اپنے سینے پر انتہائی خوف ناک بوجھ محسوس ہوا گویا اُس کے سینے پہ ایک بھاری چٹان دھری ہو۔ اُس کے ہاتھ پاؤں شل ہونے لگے۔ آخر اُس نے ایک بار پھر سرکنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ بدقسمتی سے قمیص کا ایک اور حصّہ ٹوٹے ہوئے نٹ میں پھنس گیا اور گاڑی آہستہ آہستہ اُس کے سینے پہ بوجھ بڑھانے لگی۔ وہ بُری طرح ہانپنے لگا۔

فان کو اپنی بیوی سیو کا خیال آیا۔ سیو اُس سے صرف بیس گز کے فاصلے پر باورچی خانے میں موجود تھی۔ اُس نے زور سے "سیو، سیو" چیخنے کی کوشش کی لیکن اُس کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ اُس کے منہ سے صرف کراہ جیسی آواز نکلی اور وہ بھی فوراً دم توڑ گئی۔

"آپ کیا کر رہے ہیں؟" بچّی نے اُس کی کراہ سُن کے پوچھا۔

یہ آواز سنتے ہی فان کی مایوسی ایک بار پھر اُمّید میں بدل گئی۔ "کلیر! بیٹی کلیر!" اُس نے اپنی آواز پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں وہ لیور نظر آ رہا

ہے۔ غور سے دیکھو جیک کے سوراخ میں ایک چھوٹی سی سلاخ ہے۔ اُسے ذرا اوپر سے نیچے ہلا دو۔"

کلیر کی طرف سے اُسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ایک ننھی بچّی اُس کی بات سمجھ سکتی ہے؟ اُسے کیا پتہ کہ لیور کیا چیز ہے۔ کلیر غالباً کچھ نہیں سمجھ سکتی۔ فان نے ایک بار پھر اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔" دیکھو، تمھیں اپنے سامنے ایک سلاخ نظر آ رہی ہو گی، لوہے کی چھڑی۔ اُسے اوپر سے نیچے ہلاؤ۔"

کیا کلیر جیسی ننھی بچّی جیک پمپ کر سکتی ہے؟ فان کی پیشانی ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے سے بھیگ گئی۔ بچّی خاموش تھی۔ غالباً وہ اس امر سے آگاہ نہیں تھی کہ وہ ایک ایسے آدمی کے قریب کھڑی ہے جو موت کے خوں خوار جبڑوں میں پہنچ چکا ہے۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ ابھی یہ باتیں نہیں سمجھ سکتی تھی۔

"کلیر!" فان نے چیخنے کی کوشش کی۔" دوڑ کے جاؤ۔ میری بیوی، اپنی آنٹی کو بلاؤ یا اپنی ممی کو بلاؤ۔ جلدی سے جاؤ اور اُنھیں بتاؤ کہ مجھے اُن کی مدد کی ضرورت ہے۔ میں مر رہا ہوں۔ جلدی جاؤ کلیر! جلدی جاؤ۔"

"اُوں ہوں۔ میں نہیں جاؤں گی۔" بچّی نے کہا۔" میری گیند۔"

"جہنّم میں گئی تمھاری گیند۔ اپنی ممی کو بلاؤ۔" اُس نے پُوری قوت سے چیخنے کی کوشش کی لیکن اُس کی آواز زیادہ بلند نہیں ہو سکی۔

کار کا بوجھ اب اتنا بڑھ گیا تھا کہ اُسے سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔ اس حالت میں کلیر سے بات کر لینا ہی بہت تھا۔ فان کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اُس کی پسلیوں پر اس قدر قوت صرف کر رہا ہے کہ پسلیاں ایک دم تڑاخ سے ٹوٹ سکتی ہیں۔ اُس کی سانس بُری طرح پھول گئی تھی۔ حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے اور پیشانی کے علاوہ پورا جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ اس نے دائیں طرف سر گھمایا۔ اُسے بچّی کے ننھے ننھے جوتے نظر آ رہے تھے۔ اُس نے کلیر سے پھر کہا" کسی کو بُلاؤ۔" اُس کی آواز سنتے ہی ننھے جوتوں نے حرکت کی اور اُس کی نگاہ کے سامنے سے ہٹ گئے۔ پھر کلیر کی مہین آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی" نہیں۔ میں نہیں بلاؤں گی۔ آپ نے مجھے میری گیند جو نہیں دی۔"

اب اُس کے سینے پر کار کا بوجھ ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا اور برابر بڑھتا جا رہا تھا۔ اُسے اپنا دم گھٹتا ہُوا محسوس ہونے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے کسی نہ کسی طرح اپنا سینہ فوراً آزاد کر لینا چاہیے ورنہ اُس کی پسلیاں چٹخ جائیں گی، ٹوٹ جائیں گی۔ کار بتدریج زمین پر بیٹھتی جا رہی تھی۔ سامنے کے پہیے الگ ہونے کی وجہ سے وہ فرش سے چپک کر اُسے پُوری طرح کچل سکتی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح اپنی قمیص پکڑ کے کھینچنے لگا۔" چھوٹ جا بدبخت چھوٹ جا۔" اُس نے بدحواسی میں قمیص سے کہا لیکن نٹ اور قمیص کا رشتہ نہیں ٹوٹا۔

"آپ کیا کر رہے ہیں انکل؟" کلیر نے دریافت کیا۔ اُس کا لہجہ تجسّس سے بھرپور تھا۔

وہ غرّایا۔" اپنی ماں کو بُلاؤ کلیر! اپنی ماں کو بلاؤ۔ یہ کار مجھے کچل کر ہلاک کر رہی ہے۔ کیا تم میری بات نہیں سمجھ سکتیں۔ اچھّی بچّی جاؤ، فوراً اپنی انٹی یا اپنی ممی کو بلاؤ۔ کلیر! پلیز کسی کو بلا دو۔ جلدی۔"

اُسے سانس لینے میں شدید دشواری ہو رہی تھی، خون اُس کے سر میں چکرا رہا تھا، کان بہرے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ بری طرح پیچ و تاب کھانے لگا، بے بسی سے اُس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ آخر یہ بچّے ویسا کیوں نہیں کرتے جیسا کہا جاتا ہے؟

اب بالکل وقت نہیں رہا۔ اُس نے خود کو سمجھایا۔ اپنی مدد خود کرو لیکن جلدی۔ اس مصیبت سے نجات کا کوئی راستہ جلد از جلد تلاش کرو۔ لمحوں میں ثانیوں میں۔ سوچو، اور سوچو۔ اُس نے ذہن پر زور دیا۔ جلدی سوچو فان ورنہ کوئی تمھاری لاش بھی نہیں پہچان سکے گا۔ اُس کے ذہن میں اپنی مسخ لاش کا نقشہ گھوم گیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا پھر اُس کے ہاتھ پاؤں شل ہونے لگے۔ اُس کے جسم پر کار کا بوجھ تھا۔ رکاوٹ کی وجہ سے کار کا بیٹھنا کچھ سست پڑ گیا تھا۔ اس کے باوجود فان کے سینے پر مسلسل بوجھ بڑھ رہا تھا۔ تیل کے ڈبے؟ اُس کے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔ تیل کے ڈبّے یقیناً کارآمد ہو سکتے ہیں وہ اُس کے قریب ہی تھے۔ معاً فان کے بازو میں نئی قوّت پیدا ہو گئی۔ وہ ایک ڈبّا پوزیشن میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس کا آزاد ہاتھ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اُس نے رینچ پکڑ رکھا تھا تاکہ دائیں بائیں زور لگاتے وقت سہارا مل سکے
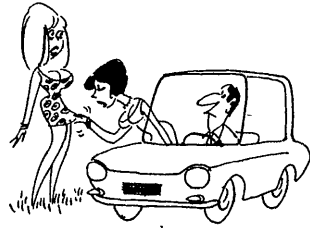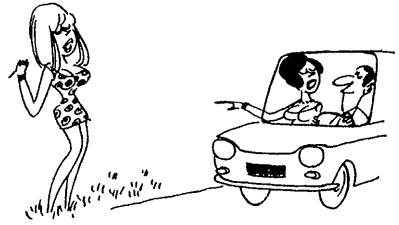
ڈبا خاصا مضبوط تھا لیکن افسوس، اس قدر چھوٹا تھا کہ اسے سہارے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کار اُسے کچلنے کے بعد ہی کہیں ڈبے پر جا کر رکتی۔ فان نے کسی دوسری چیز کے بارے میں غور کیا۔ اگر سنسی گاڑ دی جائے تو شاید وہ کار کا بوجھ سہار لے۔ اُس کے سینے پر مسلسل دباؤ بڑھ رہا تھا۔ اُس نے ادھر اُدھر ٹٹولا مگر ایک بھی سنسی اُس کے ہاتھ نہیں آئی حالانکہ وہ دو سنسیاں لے کے آیا تھا۔ شاید وہ اُس کے ہاتھ کی رسائی سے کہیں دور پڑی ہوئی تھیں۔

وہ دیوانہ وار ہاتھ چلانے لگا۔ فرش پر بار بار ہاتھ مارنے سے اُس کے ناخن ٹوٹ گئے اور اتنی شدید تکلیف ہوئی کہ اُسے پورا بازو مفلوج محسوس ہونے لگا۔ اُس کا ذہن خوف سے جھن جھنا گیا۔ وہ ایک دیوانے قیدی کے مانند رہائی کے لیے بُری طرح الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں چلانے لگا لیکن اُس کی قوت وزنی کار کی قوت کے سامنے کیا حقیقت رکھتی تھی۔ اُس کے سینے پر اس قدر بوجھ تھا کہ گھٹن کا احساس مزید بڑھ گیا۔

"سیوا!" اُس نے بے حد مایوسی سے پکارا۔ اُس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں ہو سکی۔ سیوا اس سے صرف چند گز دور تھی مگر اُس کی آواز اُس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ بوجھ نے اُس کی گویائی نہ چھین لی ہوتی تو وہ اُسے پکار سکتا تھا اور سیوا آسانی سے اُس کی آواز سن سکتی تھی مگر اب؟

آخر ہار کے اُس نے جدوجہد ہی ترک کر دی۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، موت اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ اب مجھے صبر اور اطمینان سے اپنے بھیانک انجام کا انتظار کرنا چاہیے۔ اُس نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔

اچانک اُس کے کانوں میں بھاری آہٹیں ٹکرائیں۔ یہ ڈاکیے کے آنے کا وقت تھا۔ آہٹیں ابھی فان سے دور تھیں اور یہ امید بھی نہیں تھی کہ وہ قریب آئیں گی مگر شاید ڈاکیے نے کار کے پاس کلیر کو دیکھ لیا تھا اس لیے وہ قریب آ گیا۔ فان نے اُس کی آواز سنی "ہیلو ننھی گڑیا! مجھے افسوس ہے کہ آج تمھارے ہاں کا کوئی خط نہیں ہے مگر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کیا تمھاری ممی کو معلوم ہے کہ تم سڑک پار کر کے یہاں کھڑی ہو؟"

"مدد کرو، اُف میری مدد کرو۔" فان نے چیخنے کی کوشش کی لیکن بوجھ اُس کے سینے کے ساتھ ساتھ اُس کی آواز بھی دبا چکا تھا۔ مدد اس قدر قریب دیکھ کے اُسے ایک بار پھر امید کی کرن دکھائی دی تھی لیکن وہ تو مدد کے لیے آواز بلند کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ بوجھ خوف ناک انداز میں اُس کے سینے پر منتقل ہو رہا تھا۔

اُس نے پھر ڈاکیے کی آواز سنی "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ آج تمھارے ہاں کا کوئی خط نہیں ہے۔"

"میں اپنی گیند لینا چاہتی ہوں۔" فان نے کلیر کی آواز سنی "اس کار کے نیچے انکل پتہ نہیں کیا کیا کر رہے ہیں مگر میری گیند اٹھا کر نہیں دیتے۔"

فان نے ڈاکیے کی ہنسی سنی۔ وہ کہہ رہا تھا "تمھارے انکل اپنے کام سے فارغ ہو کے تمھیں گیند نکال دیں گے۔ دیکھ نہیں رہی ہو کہ اس وقت وہ کتنے مصروف ہیں۔" پھر اُس کی آہٹیں دور ہونے لگیں۔ وہ وہاں سے واپس جا رہا تھا فان کا دل ڈوبنے لگا۔

اُسی وقت فان نے کلیر کی رندھی ہوئی آواز سنی، وہ ڈاکیے سے کہہ رہی تھی "جائیے اب میں آپ سے نہیں بولوں گی، کبھی نہیں بولوں گی۔" وہ رونے لگی۔

"اچھا اچھا۔" ڈاکیا رک گیا۔ "ارے تم تو اتنی سی بات پہ رونے لگیں۔ ٹھیرو، میں نکال دیتا ہوں تمھاری گیند۔" وہ کار کے قریب آیا اور نیچے جھکا۔ اُس کی نگاہ فان کے چہرے پر پڑی۔ فان کا چہرہ کفن کی طرح سفید ہو چکا تھا۔ اُس پر نیم بے ہوشی طاری تھی لیکن ڈاکیا تو پوری طرح ہوش میں تھا۔ اُس نے کار آہستہ آہستہ بیٹھتے ہوئے دیکھ لی تھی اور فان کی ایک پسلی ٹوٹنے کی آواز بھی سن لی تھی۔ اُسے وہ ناکارہ جیک بھی نظر آ گیا تھا جو کار کا بوجھ سنبھالنے میں ناکام ثابت ہو رہا تھا۔

مائک بریٹ * اظہر کلیم
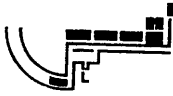
ہوٹل کی دو منزلہ عمارت ہلال کی شکل کی تھی، کانچ اور ایلومینیم اور سرخ لکڑی کے استعمال نے اسے بے حد خوش نما بنا دیا تھا۔ دوسری منزل کے بے شمار دریچے نہانے کے ایک بہت بڑے اور خوب صورت تالاب کی طرف کھلتے تھے۔ لیزا اور چارلس ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں سوار ہو کے کوئی ایک بجے یہاں پہنچے تھے۔ جنوری کی روپہلی دھوپ بے حد خوش گوار تھی۔ ہوٹل کے بیشتر مکین نہانے کے کپڑوں یا دوسرے مختصر ترین لباسوں میں تالاب کے کنارے بکھرے ہوتے تھے بعض نے رنگین کرسیاں سنبھال رکھی تھیں قہقہوں اور پُرلطف باتوں کا ایک سیلاب چارلس کی سماعت سے ٹکرایا۔ اس کا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔

اُن دنوں چارلس کا کاروبار مندا تھا۔ اُسے یہاں کے ماحول میں کاروبار کی بُو بھی محسوس ہوتی۔ اُس کی خوشی دوچند ہو گئی۔ تالاب دیکھ کر اُس کے دل میں بے اختیار یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ کپڑوں سمیت نیل

ایک شوخ نازنین کی کہانی جس پر آزمائش کی گھڑی آ پڑی تھی

ان لوگوں کی خدمت میں جو اپنے دن احتیاط سے خرچ نہیں کرتے

گوں پانی کی گہرائی میں کود جاتے اور دیر تک ادھر سے اُدھر تیرتا رہے ۔
اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا بیشتر وقت نہانے میں یا دھوپ میں بیٹھنے میں
یا لیٹنے میں گزارے گا۔

چارلس اور لیزا ایک ہفتے کے لیے یہاں آتے تھے۔ دوسرے
روز کے لیے چارلس نے یہ پروگرام بنایا کہ وہ گولف کھیلنے کے بعد لیزا
کے ساتھ سمندر میں مچھلیاں پکڑنے جاتے گا۔ لیزا نے اس کا بازو تھام لیا۔
"اُوہ کتنی خوب صورت جگہ ہے چارلس"، وہ مسکرائی۔

"ہاں واقعی بے حد خوب صورت"۔ چارلس نے جواب دیا۔ ان معاملات
میں وہ لیزا کی خیال آرائی کبھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔

لیزا اب کوئی بتیس سال کی ہوگی۔ اُن دونوں کی شادی کو آٹھ برس
ہوگئے تھے۔ دس سال پہلے چارلس کی پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا۔ اُس
نے دو برس تک اپنے دو بچوں کی نگہداشت خود کی تھی پھر قسمت نے اسے
لیزا سے ملا دیا۔ چارلس لیزا سے بیس سال بڑا تھا۔ وہ اُس کے جذبات اور اُس
کی خواہشات کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ اُسے لیزا سے شدید محبت تھی اور
عمر کے ساتھ ساتھ اُس کی محبت بڑھتی جا رہی تھی۔

کمرے میں پہنچ کے انھوں نے کپڑے بدلے پھر نہانے کا لباس
پہن کے چارلس لیزا پر جھک گیا۔ تمہارا خیال ایک مرتبہ پھر درست ثابت
ہوا لیزا میں خود کو بہت تر و تازہ اور مسرور محسوس کر رہا ہوں۔ چھٹیاں
منانے کا یہ پروگرام لیزا نے بنایا تھا۔

چارلس غیر منقولہ جائداد کی ایجنسی چلا رہا تھا۔ خاصی بڑی
ایجنسی تھی۔ اُسے ان تھک کام کرنا پڑتا تھا۔ دوسری ایجنسیاں بھی رفتہ
رفتہ پاؤں جما رہی تھیں۔ اُن کی وجہ سے چارلس کا کام متاثر ہو رہا تھا۔
وہ اپنی گرتی ہوئی ساکھ سنبھالنے کے لیے صبح سے شام تک وحشیانہ
انداز میں کام کرتا پھر شام کو اس طرح تھکا ہوا گھر آتا جیسے پورا دن میدانِ
جنگ میں گزار کر آیا ہو۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ان حالات اور اس شدید
اعصابی تناؤ کے باوجود وہ لیزا کی رفاقت سے بیزار نہیں ہوا تھا۔ وہ اب
بھی پہلے کی طرح گھنٹوں اسے دیکھتا رہتا اور لیزا اُس کے سامنے بیٹھی اپنے
بالوں میں برش کرتی رہتی۔ چارلس اُسے اپنی زندگی میں ایک ایسے پھول
کی مانند تصور کرتا تھا جس کے کھلنے سے اُس کی روح معطر ہو گئی تھی۔

کاروبار گرنے کے ساتھ ساتھ اُس کے اعصاب پر زیادہ بوجھ
پڑنے لگا اور رفتہ رفتہ وہ لیزا سے دُور رہنے پر مجبور ہو گیا۔ اسے مہینے
میں کئی راتیں لیزا کے ساتھ خواب گاہ میں گزارنے کے بجائے دفتر میں
کام کرتے ہوئے گزارنی پڑتیں۔ وہ تمباکو نوشی بے حد کرنے لگا اور مارٹینی
کے جام بھی روز بہ روز بڑھتے رہے۔ بدخوری اور بلا نوشی نے اُسے بے
ڈھنگا بنا دیا تھا۔ اُس کا وزن پہلے سے کہیں زیادہ ہو گیا۔

غیر معمولی واقعات اور باتوں کا آغاز شادی کے پہلے ہی دن
سے ہو گیا تھا۔ اُس کے بہترین دوستوں نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ
لیزا سے شادی نہ کرے۔ "چارلس ایسی عورت سے شادی نہ کرو جس کا ماضی
گھناؤنا ہے"۔ اُنھوں نے اسے سمجھایا لیکن ان میں سے کسی نے لیزا سے
یہ کبھی نہیں کہا کہ وہ چارلس سے شادی کر کے اُسے کس قدر طوفان میں
مبتلا کر چکی ہے۔

آٹھ برس پہلے چارلس ایک شام دفتر سے اپنی کار میں تھکا تھکایا
گھر جا رہا تھا۔ اُسے ایک عورت دکھائی دی۔ وہ عورت پُل کی ریلنگ
پر چڑھی ہوئی تھی اور تاریک پانی میں کود کر خود کشی کرنا چاہتی تھی۔ اُس
کی عمر صرف چوبیس سال تھی۔ چارلس نے آگے بڑھ کے اُسے بچانے کے لیے
گرفت میں لے لیا۔ عورت اُس سے رہائی حاصل کرنے کے لیے بُری
طرح جدوجہد کرنے لگی اور کہنے لگی کہ وہ زندگی کے ہاتھوں تنگ آ چکی
ہے لہٰذا اُسے مرنے دیا جائے۔ یہ اُس پر احسان ہو گا۔

چارلس نے اُس پر ایک اور احسان کیا۔ اُس نے اُس عورت کی
غم انگیز زندگی میں اپنی محبت کی مسکراہٹیں بکھیر دیں۔ اُس نے لیزا کو سمجھایا
کہ زندگی بہت قیمتی ہے اسے ضائع کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ لیزا اُس
کی باتوں سے بہت متاثر ہوئی اس لیے جب اُس نے اُس سے شادی کی
درخواست کی تو لیزا اُسے رد نہ کر سکی۔ پھر بھی اُسے رضامند کرنے کے لیے
چارلس کو ایک طویل مدت صرف کرنی پڑی تھی۔ اب اُن کا گھر ایک مثالی گھر
تھا جہاں مسرت اور مسکراہٹوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ چارلس کے چھوٹے
سے حلقۂ احباب نے یہ شادی قبول کر لی تھی حالانکہ اُس کے کئی دوستوں
نے لیزا کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ لیزا سے نہیں ملتے تھے لیکن
انھوں نے چارلس سے قطعِ تعلق نہیں کیا۔

گزشتہ چند مہینوں کی مسلسل مصروفیات سے چارلس کے
اعصاب پر بہت بوجھ پڑ گیا تھا۔ وہ ہر وقت تھکا تھکا اور نڈھال نظر
آتا تھا۔ لیزا نے یہ بات محسوس کر کے اصرار کیا کہ تفریح کے لیے کچھ دن باہر
گزارنے چاہئیں۔ چارلس اپنی تمام قوت ڈوبتا ہوا کاروبار سنبھالنے میں
صرف کر رہا تھا۔ بہت سخت زمانہ تھا۔ محض تفریح کے لیے کاروبار سے علیحدہ
ہونا تباہی کو دعوت دینا تھا لیکن جب وہ لیزا کے ساتھ یہاں آیا تو یہ محسوس
کیے بغیر نہ رہ سکا کہ لیزا نے اُسے ایک نئی زندگی دے دی ہے۔ اسے یقین
ہو گیا کہ اگر وہ کاروباری مصروفیت میں چند مہینے اور گزار دیتا تو اُس کا
خاتمہ بھی ہو سکتا تھا۔ اسے تبدیلی کی شدید ضرورت تھی۔ لیزا کی فرض شناسی
نے اسے بہت متاثر کیا۔ ذہن و دل کے اُن گوشوں میں لیزا کا خیال بس گیا
جن میں معاشی پریشانیاں بھری ہوئی تھیں۔

آخر اس تفریحی دورے میں بھی اُسے ایک مصیبت نے گھیر لیا۔ وہ
دونوں نہانے کے لباس میں کمرے سے نکل کے تالاب پر پہنچے۔
دوسری منزل کی ایک بالکونی سے کسی شخص نے لیزا کو پکارا۔ "لیزا!" یہ کہہ

کے وہ شخص بالکونی سے اُچھلا اور وہیں سے فضا میں اُڑتا ہوا تالاب کی گہرائی میں غائب ہو گیا۔ چارلس نے لیزا کے چہرے پر خوف اور دہشت کے وہ آثار دیکھے جو اُسے خودکشی کرنے وقت اُس کے چہرے پر نظر آتے تھے۔ "کیا بات ہے ڈارلنگ؟" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم دُھلی ہوئی چادر کی طرح سفید کیوں پڑ گئیں؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔ میں...... میں دراصل اس شخص کو جانتی ہوں۔"

لیزا ہکلانے لگی "میں نے فلوریڈا میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا لیکن یہ دس سال پہلے کی بات ہے ڈیئر! اگر تم مناسب سمجھو تو ہم یہاں سے کہیں اور چل سکتے ہیں۔" اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میرا خیال ہے اگر ہم یہی کریں تو بہتر ہو گا۔"

"نہیں، ہم یہیں ٹھیریں گے۔ ہم کسی سے خوف زدہ ہو کر کہیں نہیں بھاگیں گے۔" چارلس نے نرم محبت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

غوطہ لگانے والا شخص پانی سے باہر نکل آیا۔ وہ ایک بلند قامت آدمی تھا۔ اُس کے عضلات سخت اور نمایاں تھے۔ بہ ظاہر وہ ایک ویٹ لفٹنگ چمپئن دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے بال سنہرے اور لمبے تھے۔ جسم دھبے دار تھا، نقوش بے ڈھنگے اور کسی حد تک مضحکہ خیز تھے۔ وہ لیزا کی طرف بڑھا اور بے تکلفی سے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھ کے بولا "لیزا! تم کہاں غائب تھیں؟ میں نے دیکھتے ہی تمھیں پہچان لیا تھا۔" وہ باتیں لیزا سے کر رہا تھا لیکن اُس کی ٹٹولنے والی آنکھیں چارلس پر مرکوز تھیں۔

"یہ میرا شوہر ہے۔" لیزا نے جلدی سے چارلس کی طرف اشارہ کیا۔ چارلس نے اس کی گھبراہٹ فوراً محسوس کر لی۔ لیزا نووارد کو بتا رہی تھی "میرا شوہر چارلس۔" کچھ دیر غور کرنے کے بعد لیزا نے نووارد سے کہا۔ "میں کوشش کے باوجود اب تک تمہارا نام یاد نہیں کر سکی۔"

چارلس کا خون کھول اُٹھا۔ اُس نے اپنی بیوی کی بے چینی محسوس کر لی تھی۔ شادی کے بعد سے اب تک اس قسم کے حادثات اکثر ہوتے تھے لیکن ایسی دیدہ دلیری کا مظاہرہ کسی نے نہیں کیا تھا۔ ایک شخص کی معمولی سی گفتگو سے لیزا کا ماضی اچانک سامنے آگیا تھا جسے وہ دونوں گزشتہ آٹھ برس سے فراموش کیے ہوئے تھے لیکن اب فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ سنہرے بالوں والا دیو قامت شخص لیزا کے سامنے تن کر کھڑا تھا۔ سورج کی کرنیں اُس کی پشت پر پڑ رہی تھیں۔ لیزا اُس کے سائے میں تھی۔ چارلس کو وہ منحوس سایہ دیکھ کر جھرجھری سی آگئی۔ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ کہیں یہ سایہ اُن کی خوشیاں پامال نہ کر دے۔ دیو قامت آدمی ٹانگیں پھیلائے کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ کولھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ اُس کے انداز سے بے پناہ خود اعتمادی ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ ایک گہری نگاہ سے لیزا کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "میں بل رینی ہوں۔ ہماری ملاقات کو ایک مدت بیت چکی ہے۔ اس دوران میں تم متعدد مردوں سے ملی ہو گی اس لیے اگر تم میرا نام بھول گئی ہو تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہے۔ خیر!" اُس نے چارلس کی طرف دیکھا۔ "تمہارے پاس ایک سگریٹ ہو گا؟" وہ سرسری انداز میں بہت کچھ کہہ گیا تھا۔

چارلس نے ایک سگریٹ اُس کی طرف بڑھایا اور دوسرا خود سُلگا لیا۔ رینی اب انتہائی بے باکی سے لیزا کو گھور رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی "اگرچہ ہماری وہ ملاقات بہت عرصے قبل ہوئی تھی لیکن تمھیں دوبارہ دیکھ کر مجھے پہلے سے کہیں زیادہ خوشی ہو رہی ہے۔ تم کچھ خوف زدہ دکھائی دے رہی ہو؟ کیا بات ہے؟" اُس کی تیز آنکھوں نے ایک لمحے میں لیزا کے بدن کا جائزہ لے لیا پھر وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا "میرا خیال ہے تمھارے وزن میں صرف دو پونڈ اضافہ ہوا ہو گا۔ مجھے یاد ہے اُس وقت تم ایک دُبلی پتلی لڑکی تھیں۔" پھر اُس نے اپنا پھاوڑے جیسا ہاتھ چارلس کی طرف پھیلا دیا۔ "تم ایک خوش قسمت آدمی ہو مسٹر!" اُس کے لہجے میں سنجیدگی اور شرارت کا ملا جُلا تاثر تھا۔ "واقعی خوش قسمت۔"

چارلس نے اُس کے جملے میں چھپا ہوا زہریلا طنز صاف محسوس کر لیا لیکن وہ اُس سے اُلجھنے کے بجائے مسکرانے لگا۔ یہ اُس کی محبت کے امتحان کا وقت تھا۔ اُسے بے پناہ قوتِ ارادی کا مظاہرہ کر کے اس امتحان میں فتح حاصل کرنی تھی "شکریہ جناب! میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔"

بل رینی لیزا کی طرف گھوم گیا "تمھیں یاد ہے جب میں ہوا میں اُڑتا ہوا پانی تک پہنچتا تھا تو تم کس قدر حیران ہوتی تھیں۔ تمہاری آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگتے تھے اور دیکھنے والوں کی سانسیں رُک جاتی تھیں۔" اُس نے ہنستے ہوئے بڑی بے تکلفی سے بائیں آنکھ دبائی اور اصرار کرنے لگا "تمھیں یاد ہے نا لیزا؟ لوگوں کا ایک ہجوم حیرت سے منہ میں انگلیاں دے لیتا تھا؟"

"ہاں۔" لیزا نے کمزور سے لہجے میں کہا "یاد ہے۔"

بل رینی نے اپنے چوڑے سینے پر ہاتھ مارا "میں اب بھی ویسا ہی حیرت انگیز آدمی ہوں۔" اُس نے دوسری منزل کی بالکونی کی طرف اشارہ کیا "میں دوسری منزل کے پندرھویں کمرے میں ٹھیرا ہوا ہوں۔ اس تالاب تک پہنچنے کے لیے میں نے کبھی سیڑھی استعمال نہیں کی۔ تم دونوں یہاں کب تک قیام کرو گے؟"

"ایک ہفتہ۔" چارلس نے کہا۔

"نہیں، شاید صرف ایک دن۔" لیزا نے جلدی سے کہا۔

"نہیں۔" بل رینی نے تحکم کے لہجے میں کہا "تم دونوں یہاں زیادہ قیام کرو گے۔ یہ بڑی خوف ناک جگہ ہے یہاں ایک ہفتہ تو صرف راستے کی تکان دُور کرنے میں نکل جاتا ہے۔" اُس نے لیزا کی طرف دیکھتے ہوئے چارلس سے کہا "مسٹر! تم نے لیزا سے شادی کر کے گویا ایک فاتح کی حیثیت

اختیار کرلی ہے۔"

"ہاں۔ میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔" چارلس نے دوسرے حملے کا جواب دیا اور خود کو پُرسکون رکھنے کی پوری کوشش کی۔

بل رینی نے پھونک مار کر سگریٹ کی راکھ اُڑائی۔ "آج رات تم دونوں میرے کمرے میں کیوں نہیں آجاتے؟ میں نے ایک تقریب کا اہتمام کیا ہے۔ اس میں مقامی لوگوں کے علاوہ اس ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے سیاح بھی شرکت کریں گے۔ تم دونوں اپنی سہولت کے کپڑے استعمال کر سکتے ہو۔ نہانے کا لباس پہنو یا شام کا۔ بے تکلفی کی محفل ہے۔ میں تو یہی نہانے کا لباس پہنوں گا۔" اُس نے اپنے لباس کی طرف گردن جُھکا کے کہا۔

"میں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتی۔" لیزا نے معذرت کی۔ "ہم بہت کم وقت کے لیے یہاں رُکے ہیں۔ ابھی ہمیں ایک طویل سفر..."

"اوہ، چھوڑو بھی۔" بل رینی نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔ "میں اب بھی تمھیں وہی محسوس ہوں گا جیسا تم مجھے ایک بار پہلے دیکھ چکی ہو۔ آج ایک طویل مدت بعد ملاقات ہوتی ہے تو ہمارے درمیان گفتگو کی ایک طویل محفل بھی ہونی چاہیے۔" اُس نے چارلس سے کہا۔ "مسٹر ہاتم اگر آئے تو یقیناً تمھارا وقت بھی اچھا گزرے گا۔ میں بُرا آدمی نہیں ہوں۔ یاروں کا یار ہوں۔" یہ کہہ کے اُس نے ایک قہقہہ لگایا۔

"یقیناً۔" چارلس نے ہنسنے میں اُس کا ساتھ دیا۔ "میں ضرور آؤں گا بلکہ ہم دونوں آئیں گے۔ مجھے تمھاری یہ دعوت قبول کرتے ہوئے بہت مسرت ہو رہی ہے۔"

"خوب۔" بل رینی کِھل اُٹھا۔ "تم واقعی ایک سمجھ دار آدمی ہو۔ بہرحال تقریب ٹھیک بارہ بجے ہے۔ دراصل مجھے یہاں آکے زیادہ دیر سونا پسند نہیں ہے۔ میں بہت کم سوتا ہوں۔"

چارلس اُس کے متحرک کندھے دیکھتا رہا۔ وہ اُن سے رخصت ہو کے اپنے طویل جسم کے ساتھ چلا گیا۔ اُس کے لمبے سنہرے بال ادھر اُدھر حرکت کر رہے تھے۔ چارلس اثبات میں سر ہلا کے لیزا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں اس تقریب میں شرکت کرنا نہیں چاہتی۔" لیزا نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں بھی نہیں چاہتا۔" چارلس نے جواب دیا لیکن ہم شرکت کریں گے ضرور۔"

لیزا کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ "تم نے دیکھا تھا کہ وہ مجھے کس نگاہ سے گھور رہا تھا؟"

چارلس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ غلطی پر تھا۔ وہ تم میں تمھارے ماضی کی کوئی جھلک تلاش کر رہا تھا۔ اُسے یقیناً مایوسی ہوئی ہے۔"

"لیکن اُسے سب کچھ یاد ہے۔" لیزا نے چارلس کا بازو چھوا۔ "ہمیں یہاں نہیں رُکنا چاہیے چارلس! اس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات ہیں جہاں ہم اطمینان سے چھٹیاں گزار سکتے ہیں۔"
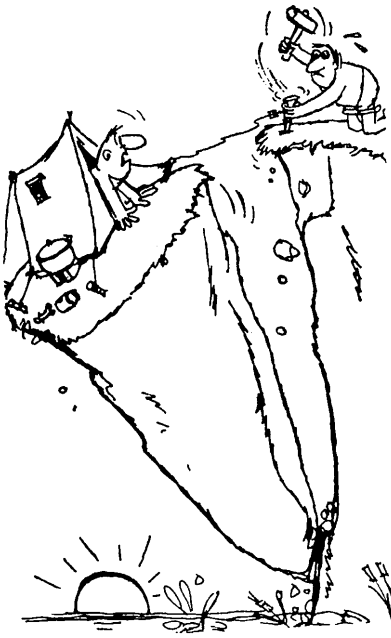
"مقام کی اس سلسلے میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اہم چیز خود تمھاری ذات ہے۔"

"تو پھر ہمیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔ یقین کرو چارلس! میں جلد از جلد یہاں سے چلنا چاہتی ہوں۔ یہاں رُکنا تمھارے حق میں بہتر نہیں ہے۔" اُس نے منہ پھیر کے مرتعش لہجے پر قابو پانے کی کوشش کی۔ "جب میں اس سے ملی تھی، اُس وقت میرا وجود غلاظت کا ڈھیر تھا۔ تم نے اس کی گفتگو اور دیکھنے کے انداز سے یہ بات محسوس کی ہوگی کہ وہ اب بھی مجھے گندگی میں لتھڑی ہوئی ایک عورت سمجھ رہا ہے۔ وہ یقیناً مجھ سے کوئی ایسا تقاضا کرے گا جو تمھارے اور میرے لیے تکلیف دہ اور شرمناک ہوگا۔"

چارلس نے انکار میں گردن ہلا کے مستحکم لہجے میں کہا۔ "ہم یہیں ٹھیریں گے۔"

"آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو؟" لیزا نے خفا ہو کے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ہمیں ان باتوں کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ ہر شخص کا ماضی اس کی ملکیت ہے۔ ماضی میں کوئی دخیل نہیں ہو سکتا، چاہے کسی سے کیسی ہی وابستگی کیوں نہ رہی ہو اور حال میں دخل اندازی کا حق صرف اُسے ہے جو حال سے وابستہ ہو۔"

"شکریہ چارلس!" لیزا نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ تم ایک عظیم انسان ہو۔ یقیناً ہم اسے شکست دینے میں کامیاب ہو

جاتیں گے۔" اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وہ مسکرانے لگی۔

"اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کس سے باتیں کر رہا ہے۔" چارلس نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں اپنے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔"

"میں تم سے محبت کرتی ہوں چارلس!" لیزا نے کہا۔ اُس کے چہرے پر گہرا سکون تھا۔ وہ تالاب کی طرف بھاگی پھر اُچھلی۔ چارلس نے دیکھا کہ اُس کا حسین بدن پانی کاٹتا ہوا گہرائی میں گم ہو گیا۔ وہ بہترین تیراک تھی۔ چارلس تالاب کے کنارے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ لیزا ایک آزاد مچھلی کی طرح پانی میں اِدھر اُدھر تیر رہی تھی۔ وہ بہت خوش معلوم ہو رہی تھی۔ چارلس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

کچھ دیر بعد وہ بھی پانی میں کود گیا۔ نہانے کے بعد وہ کنارے آیا اور دھوپ میں لیٹ گیا۔ اس تبدیلی نے اُس کے اعصاب سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ وہ خاموش لیٹا تالاب کے گرد پھیلے ہوئے لوگوں کی باتیں اور قہقہے سنتا رہا۔ دھوپ کی تیز کرنوں سے محفوظ رہنے کے لیے اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد اُس نے آنکھیں کھولیں تو لیزا اور بِل رینی پانی میں پاؤں ڈالے تالاب کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ بِل رینی کبھی کبھی قہقہہ لگاتا۔ لیزا بھی کھِل کھِلا کے اُس کا ساتھ دیتی۔ چارلس نے لیزا کو مطمئن دیکھا تو مسکرانے لگا۔ وہ اُسے ہر حال میں مطمئن دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ غور سے اُن دونوں کا جائزہ لیتا رہا۔ اُس نے محسوس کیا کہ کبھی کبھی بِل رینی کی کسی بات سے لیزا کے چہرے پر کرب کے تاثرات پیدا ہو جاتے ہیں لیکن وہ جلد ہی خود پر قابو پا لیتی ہے۔

تم واقعی ایک بہادر آدمی ہو، ایک ہیرو۔ چارلس نے آنکھیں بند کر کے سوچا لیکن تم باون برس کے ایک بوڑھے ہو اور تم نے اپنی جوان بیوی کو ایک ایسے آدمی کی راہ میں ڈال دیا ہے جو اُس پر دباؤ ڈال سکتا ہے۔ اُس نے تالاب کی طرف دیکھا۔ لیزا بِل رینی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ میں واقعی ایک عقل مند آدمی ہوں۔ وہ سوچتا رہا۔ میں نے بڑے مصائب جھیلنے کے بعد لیزا کو حاصل کیا اور شروع ہی سے لوگوں کی اُنگلیاں برداشت کرتا رہا۔ اب اگر یہاں میں لیزا پر کوئی پابندی لگا دوں تو آٹھ برس کے اعتماد کی دیوار میں دراڑیں پڑ جائیں گی۔ اعتماد ہی ہمارے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے۔

چارلس اور لیزا نے ریستوران میں کھانا کھایا۔ چارلس کی نظریں کئی بار تالاب کی طرف گئیں۔ تالاب کے گرد بھیڑ ختم ہو چکی تھی۔ خاکروب ایک بڑے برش کے ذریعے تالاب کے کنارے سے تیل کی تہہ صاف کر رہا تھا۔ لیزا کی نظروں نے اُس کی نظروں کے تعاقب میں تالاب کی طرف دیکھا۔ وہ سنجیدہ اور متفکر دکھائی دے رہی تھی۔ کھانے کے بعد وہ کچھ دیر تک چہل قدمی کرتے رہے پھر کمرے میں آگئے۔ دونوں بُری طرح تھک چکے تھے اس لیے لیزا نے مشورہ دیا کہ انھیں کچھ دیر سو لینا چاہیے۔ چارلس بستر کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے لیٹتے ہی آنکھیں بند کر لیں۔ اس دوران میں وہ لیزا کے چلنے پھرنے کی آہٹ سنتا رہا پھر اسے شاور کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ اُس نے لیٹے لیٹے لیزا کو غسل خانے سے باہر آتے محسوس کیا۔ لیزا سنگھار میز کے سامنے بیٹھ گئی اور اپنے لمبے بالوں میں برش کرنے لگی۔

چارلس سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ ایئر کنڈیشنر کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ کمرے میں اکیلا تھا، لیزا جا چکی تھی۔ وہ خاموش لیٹا ہوا اپنے دل کی دھڑکنیں سنتا رہا۔ اسے بے پناہ اذیت محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے تالے میں چابی گھومنے کی آواز سنی۔ اُس نے فوراً آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ ابھی تک سو رہا ہو۔ لیزا خاموشی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ بلی کی طرح چپکے چپکے ایک کے بعد دوسرا قدم اُٹھاتی ہوئی بستر کے قریب پہنچی اور چارلس کے پہلو میں دراز ہو گئی۔ چارلس نے اُس کی دھڑکنیں صاف محسوس کیں۔ لیزا کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ گہری تاریکی میں چارلس خود کو بے حد بوڑھا، نڈھال اور بیمار محسوس کرنے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد لیزا اُٹھ کے بیٹھ گئی۔ پھر اُس نے کپڑے بدلے۔ چارلس نے محسوس کیا کہ اُسے ایک بار پھر گہری نیند کا بہانا کرنا چاہیے مگر جلد ہی لیزا نے اسے جگانے کے لیے آہستگی سے ہلایا۔ بارہ بجنے میں صرف پندرہ منٹ باقی تھے۔ لیزا شام کے ایک چمک دار سفید سوٹ میں ملبوس تھی۔ اُس کے بال بڑی خوب صورتی سے بنے ہوئے تھے۔ چارلس نے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں اُجالا تھا۔ وہ لیزا کے سُرخ ہونٹ صاف دیکھ سکتا تھا۔ لیزا نے بہت گہری لپ اسٹک استعمال کی تھی۔ "اٹھو چارلس!" وہ مسکرائی۔ "ہم تقریب میں چل رہے ہیں۔ میرا خیال ہے تم اسپورٹس جیکٹ پہننا پسند کرو گے نا؟"

جب وہ تقریب میں پہنچے تو محفل شباب پر تھی۔ بِل رینی نے ہالی وڈ کے نوجوانوں کی طرح گرم جوشی سے اُن کا استقبال کیا۔ چارلس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں مسرت اور محبت کی چمک تھی۔ اُس نے کشادہ کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ وہاں کوئی پندرہ جوڑے اور موجود تھے۔ ہر شخص نے اپنی سہولت کا لباس پہنا تھا۔ بِل رینی کے علاوہ کئی عورتیں اور مرد نہانے کے لباس میں تھے۔ وہاں بہت حسین حسین عورتیں موجود تھیں لیکن چارلس نے محسوس کیا کہ لیزا سے زیادہ خوب صورت کوئی عورت نہیں ہے۔ لیزا ان سب میں نمایاں تھی ایک کھِلے ہوئے خوب صورت پھول کے مانند۔ چارلس اُداسی اور کرب کی ایک عجیب کیفیت محسوس کرنے لگا۔

ایک قدیم طرز کا ریکارڈ پلیئر چل رہا تھا۔ کئی جوڑے موسیقی کی لہروں پر رقص کر رہے تھے۔ بِل رینی مسکراتا ہوا مختلف دلکش عورتوں کے ساتھ

ناچ رہا تھا۔ رقّاص جوڑوں کے درمیان چارلس بھی اپنی بیوی کے ساتھ رقص کر رہا تھا جب وہ تھک گیا تو لیزا اُسے ایک طرف لے آئی۔ وہ بیٹھ گیا۔ بِل رینی لپک کے آیا۔ اُس نے آتے ہی لیزا کو باہوں میں لے لیا اور رقّاص جوڑوں کے درمیان پہنچ گیا۔ چارلس نے دیکھا کہ بِل رینی کا منہ بار بار لیزا کے چہرے پر جُھکتا ہے۔ اُس کے متحرک لبوں سے چارلس کو اندازہ ہوا کہ وہ لیزا مسلسل کچھ کہہ رہا ہے۔

بہت بھیگے رات تک مہمانوں کی اکثریت نشے میں دُھت ہو گئی۔ لیزا بہت خوش نظر آ رہی تھی اور ایک چڑیا کے مانند مسلسل چہک رہی تھی۔ افسوس یہ عورت اب بھی اپنے پُرانے چاہنے والے کی محبت میں مبتلا ہے۔ چارلس نے سوچا۔ ہونے دو۔ کیا ہوا؟ میں اسے چاہتا ہوں اور برابر چاہتا رہوں گا۔ اگر یہ مجھے نظر انداز کر رہی ہے تو کوئی بات نہیں مگر میری محبت میں قطعی کمی نہیں آنی چاہیے۔ اُس نے اُن دونوں کی طرف دیکھا۔ بِل رینی نے اُس کی بیوی کے کان میں کچھ کہا۔ چارلس نے دیکھا کہ لیزا نے اثبات میں سر ہلایا پھر اُس کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ اُس کے قریب پہنچی تو چارلس نے اُس کی نیلی آنکھوں میں گہرا اطمینان اور سکون محسوس کیا۔ چارلس بے تاب ہو گیا۔ کیا لیزا اُس سے بے وفائی کر سکتی ہے؟ ”میں ذرا کمرے تک جا رہی ہوں چارلس!“ لیزا نے کہا۔ ”مجھے ایک چیز لانی ہے اور تازہ لپ اسٹک بھی لگانا چاہتی ہوں۔“

”ضرور۔“ چارلس نے جواب دیا۔ ”ضرور جاؤ۔“

اُس نے اپنے لیے ایک گلاس تیار کیا لیکن وہ جانتا تھا کہ شراب کی تلخی اُس کے دل کی تلخی نہیں دھو سکتی۔ اُس کا منہ ہر لمحے کڑوا ہوتا جا رہا تھا۔ بِل رینی نے یکایک کمرے کے بیچوں بیچ پہنچ کے خود کو بے انتہا نشے میں ظاہر کرنا شروع کر دیا حالانکہ چند لمحوں پہلے تک وہ پُرسکون اور خوش باش نظر آ رہا تھا۔ اُس نے لڑکھڑاتے ہوئے کہا۔ ”کیوں نہ میں اس حالت میں اپنے فن کا مظاہرہ کروں؟“

ہر مہمان نے پُرجوش تالیاں بجا کر اس کی تجویز کا خیر مقدم کیا۔ بِل رینی کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔ چارلس نے دیکھا کہ اُس نے پہلے بھی اسی دریچے سے تالاب میں چھلانگ لگائی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک فن کار تھا۔ چارلس نے دل ہی دل میں اُس کے فن کی داد دی۔ دوسری منزل سے تالاب میں کودنے کے خیال پر خصوصاً عورتوں نے زبردست ہیجانی کیفیت کا اظہار کیا اور بڑے اشتیاق سے بِل رینی کی طرف دیکھنے لگیں۔ بِل رینی کھڑکی میں تن کر کھڑا تھا۔ اب اُس کے انداز سے نشہ وغیرہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

چارلس نے پلٹ کر دیکھا۔ بِل رینی اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظروں میں ایک عجیب طنز تھا۔ چارلس بے قرار ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ لیزا کمرے میں جا چکی ہے اور بِل رینی تالاب میں کود کے اُس کے پاس پہنچنے والا ہے۔ تالاب میں کودنا محض ایک بہانہ ہے۔ چارلس نے بڑے کرب سے سوچا۔

امام ابو یوسف کی محفل میں ایک شخص آتا تھا۔ وہ ہمیشہ صرف سنتا تھا خود کبھی نہیں بولتا تھا۔ ایک بار امام ابو یوسف نے اس سے کہا ”تم ہمیشہ چُپ رہتے ہو کبھی تم بھی تو بولا کرو۔“

وہ کچھ جھجک کے بولا ”بہت بہتر! ایک مسئلہ پوچھتا ہوں۔ بتائیے کہ روزے دار کو افطار کس وقت کرنی چاہیے؟“

امام ابو یوسف نے جواب دیا ”جب سورج غروب ہو جائے“

اس نے پھر دریافت کیا ”اگر سورج آدھی رات تک نہ ڈوبے تو؟“

امام ابو یوسف مسکرا دیے ”تمہارا چُپ رہنا ہی بہتر ہے۔“

افسوس میں نے جو بازی لگائی تھی اُس میں مجھے مات ہو رہی ہے۔ اُس نے اس سے پہلے خود کو کبھی اتنا تھکا ہوا محسوس نہیں کیا تھا۔

بِل رینی نے جُھکائی لی اور نہایت مہارت سے نیچے کود گیا۔ ایک عورت لپک کے کھڑکی کی طرف بڑھی۔ معاً اُس کے حلق سے چیخ نکل گئی لیکن یہ چیخ صرف حیرت کی چیخ تھی البتہ وہ چیخ انتہائی جگر خراش اور بھیانک تھی جو نیچے سے سنائی دی تھی۔

تالاب اچانک چاروں سمتوں سے روشنی میں نہا گیا۔ ہر طرف سے آدمیوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ کمرے کی کئی عورتیں بے ہوش ہو کر گر گئیں۔ وہ ایک ناقابلِ فراموش منظر تھا۔ بِل رینی زندہ تھا لیکن اُس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ چکے تھے اور چہرہ اس قدر مسخ ہو گیا تھا کہ اب اُسے شناخت کرنا بھی مشکل تھا۔ چارلس نے دریچے سے وہ منظر دیکھا اور سوچا کہ اب بِل رینی صرف چند گھڑیوں کا مہمان ہے

رات کے سناٹے میں پولیس کاروں کے سائرن سے کہرام برپا ہو گیا۔ تفتیش شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ کسی مسخرے نے تالاب سے پانی کی نکاسی کا نل کھول دیا تھا اس لیے پانی کی سطح کم ہوتے ہوتے صرف ایک فٹ کے قریب رہ گئی تھی۔

چارلس آہستہ آہستہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اُس کے ذہن میں ہوٹل منیجر کے یہ الفاظ گردش کر رہے تھے کہ ”پانی اس حد تک کم ہونے کے لیے کئی گھنٹوں تک اس کا اخراج ضروری ہے۔“ یہ وہی وقت تھا جب وہ سو رہا تھا لیکن لیزا نہ صرف جاگ رہی تھی بلکہ چارلس نے اُسے کمرے سے باہر جاتے اور کچھ دیر بعد واپس آتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

وہ خاموشی سے کمرے میں داخل ہوا۔ روشنی ہو رہی تھی اور اُس کی حسین بیوی لیزا محوِ خواب تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ دیکھ کر چارلس یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ آخر یہ خیال خود اُس کے ذہن میں کیوں پیدا نہیں ہوا تھا؟ وہ لیزا پر جھک گیا۔ واقعی اس عورت نے اسے فتح مندی کے جذبے سے سرشار کر دیا تھا۔

تیسرا چٹکلا

میری ول کنسن * اظہر کلیم

نئے عہد کی ایک کہانی
مغرب کے ایک ہیئر ڈریسنگ سیلون کا دلچسپ واقعہ
لمبے بال رکھنے والوں کے لیے بطورِ خاص

ضعیف حجام نے میری گردن پر مہارت سے مشین چلائی اور کہا "میری عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ میں نے اس پوری مدت میں اتنے لمبے بالوں والے لڑکے پہلے نہیں دیکھے تھے لیکن اب یہ وبا عام ہو گئی ہے اور اس نے ہمارے کاروبار پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔" وہ چمڑے پر استرا گھسنے لگا۔ اُس نے اُسترے کی دھار انگوٹھے پر آزمائی۔

"خوب صورت مناظر اور حسین تصویروں سے یہ دکان خاصی پُرکشش بن سکتی ہے۔" میں نے قدیم طرز کے سیلون میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تمھیں آرائش کے جدید لوازم کا کبھی خیال نہیں آیا؟"

ضعیف حجام کا منہ نفرت سے سکڑ گیا۔ "نہیں۔ میں ایک روایت پرست اور قدامت پسند آدمی ہوں۔ میں تبدیل نہیں ہو سکتا لیکن میرے ذہن میں ایک طریقہ ہے۔ میں اُس پر ضرور عمل کروں گا۔ پھر آیندہ دو ہفتوں میں تم دیکھ لو گے کہ قصبے کے لمبے لمبے بالوں والے تمام لڑکے ایک قطار میں یہاں بال کٹوانے کے لیے موجود ہوں گے۔"

میں نے اس سے وہ طریقہ دریافت کیا مگر اس نے بتایا نہیں۔ میں تین ہفتے بعد معمول کے مطابق پھر بال کٹوانے کے لیے سیلون میں داخل ہوا۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ سیلون لمبے لمبے بالوں والے لڑکوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ سب یہاں وہاں منتشر بیٹھے تھے اور اُن میں سے کوئی کسی سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔

میں نے حجام کی طرف دیکھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہاں ضعیف حجام موجود نہیں تھا۔ اُس کے فرائض ایک خوب صورت لڑکی انجام دے رہی تھی۔ وہ نازک اندام لڑکی بلاشبہ حسینۂ عالم منتخب ہونے والی لڑکیوں میں شامل ہونے کے قابل تھی۔ "اب دوسرا نوجوان آ جائے۔" لڑکی پُرکشش انداز میں مسکرائی اور تولیا جھٹک کر کسی دوسرے کی گردن میں لپیٹنے کے لیے تیار ہو گئی۔

میں نے لڑکوں کی جانب دیکھا۔ سب جھینپے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کو کہنیاں مار رہے تھے کوئی بھی بال کٹوانے کے لیے آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ بعض لڑکے بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ "ٹام! اب تمھاری باری ہے۔" لڑکی نے ایک لڑکے سے کہا۔ لڑکے کے بال بہت لمبے تھے۔

"مجھے کوئی عجلت نہیں ہے کسی اور کو بلا لو۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"تو کوئی بھی آ جائے۔" لڑکی مشین ہاتھ میں لیے مستعد کھڑی تھی "آخر میرا وقت کیوں ضائع کیا جا رہا ہے؟"

ایک لڑکا اُٹھا۔ وہ شرمایا ہوا کرسی پہ بیٹھ گیا۔ "میں اپنے بال آدھے انچ کے قریب کم کرواؤں گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔"

"چلو اسی طرح کچھ وزن کم ہو جائے گا۔" لڑکی کھل کھلا کے ہنسی۔ اُس کی کھنک دار ہنسی نے سب کو چونکا کے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

پھر میرا لڑکا کرسی پر بیٹھا۔ اُس نے اپنے ماتھے پہ جھولتی ہوئی لٹ دبا لی۔ "یہ حصہ نہ چھونا۔" اس کا لہجہ عاجزانہ تھا۔

لڑکی اُس کے عقب میں گھومتی ہوئی بال کاٹنے میں مصروف ہو گئی۔ اس دوران میں وہ بہت دلچسپ باتیں کر رہی تھی۔ "سنو جیک!" اُس نے لڑکے کے سر پر قینچی نچاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس ایک غالتو رن موجود ہے۔ مناسب سمجھو تو لیتے جانا۔"

وہ یکے بعد دیگرے ایک ایک لڑکے کو شرمندہ کرتی رہی لیکن کسی نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ جو لڑکے آدھے آدھے انچ بال کٹوا چکے تھے، وہ اب بھی سیلون میں جمے بیٹھے تھے۔ غالباً انھیں باہر نکلنے میں تذبذب ہو رہا تھا۔ "اب تم لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" لڑکی نے کہا۔ "اگر اور بال کٹوانے کا ارادہ ہے تو معاوضہ دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔"

پھر میری باری آئی۔ میں کرسی پہ بیٹھا۔ اُسی وقت ایک نوجوان کی سرگوشی اُبھری۔ وہ لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ "آج رات پلازا میں رقص کا پروگرام ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟"

لڑکی کا ہاتھ فضا میں معلق رہ گیا۔ میں نے اپنے سر پہ قینچی کی آواز ختم ہوتے سنی اور پھر لڑکی کی آواز نے کانوں میں رس گھولا۔ "میں لمبے بالوں والے کسی لڑکے کے ساتھ گھومنا پسند نہیں کرتی۔ اور تم سب لمبے لمبے بال رکھتے ہو۔" لڑکے خاموش رہے۔ چند لمحوں بعد لڑکی نے قینچی چلاتے ہوئے کہا۔ "اچھا۔ ایک بات سنو۔ میں کسی ایسے لڑکے کے ساتھ رقص میں جانا قبول کر لوں گی جو گُدّی اور کنپٹیوں کے بال کٹوانے پر سب سے پہلے آمادہ ہو جائے۔"

مجھے اُن لڑکوں کی حالت پہ بے حد افسوس ہوا۔ وہ باری باری سیلون سے باہر نکل گئے۔ شاید انھوں نے یہ سوچ کر لڑکی کی پیش کش ٹھکرا دی تھی کہ محض چند لمحوں کی رفاقت کے لیے وہ اپنے شان دار بال کیوں ضائع کریں؟ ظاہر ہے کندھوں تک پھیلے ہوئے بال ایک آدھ مہینے میں نہیں بڑھے ہوں گے۔

"ہیئر کریم بھی لگا دوں جناب؟" لڑکی نے سوال کیا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ آئینے میں میرا عکس دیکھ کے مسکرانے لگی۔ "میں نے اپنے دادا سے وعدہ کیا ہے کہ اُن کا کاروبار ترقی کی راہ پر ڈال دوں گی۔"

"اوہ! تو تم ضعیف حجام کی پوتی ہو؟"

"ہاں میرا نام جولی ہے۔ کیا آپ مجھ سے شرط لگاتے ہیں؟ چند ہفتے بعد اس قصبے میں کسی لڑکے کے سر پر لمبے بال نہیں ملیں گے۔"

جولی نے صحیح کہا تھا۔ سیلون کے باہر بالوں کا ڈھیر بتدریج بڑھتا جا رہا تھا اور جولی ہر شام کسی نہ کسی نوجوان کے ساتھ رقص کرتی نظر آتی تھی۔ لڑکوں کے سروں سے جھالر جیسے بالوں کی لٹیں غائب ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ لڑکوں کو دیکھ کر یہ احساس ہونے لگا کہ انھیں گروہ در گروہ کسی جیل سے رہا کیا گیا ہے۔

لڑکوں کے بال اب خاصے چھوٹے ہو گئے تھے پھر بھی سیلون میں ان کی آمد و رفت بدستور قائم تھی۔ ضعیف حجام بے حد مسرور تھا۔ وہ خوش حال ہو گیا تھا۔ اب اُس کے سیلون میں کئی تبدیلیاں ہو گئی تھیں اور پُرانی چیزوں کی جگہ نئی چیزیں نظر آنے لگی تھیں۔

میں کچھ عرصے بعد معمول کے مطابق بال کٹوانے گیا۔ باہر ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا۔ "نئی انتظامیہ۔ نیا ماحول"۔ میں نے نئے مالک سے دریافت کیا۔ "ضعیف حجام کہاں گیا؟"

"وہ سبک دوش ہو گیا ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"اور اُس کی پوتی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ آج تین بجے شادی کر رہی ہے۔"

میں نے واپسی میں گرجا کے باہر لڑکوں کا ایک جمِ غفیر دیکھا۔ میں بھی رُک گیا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون خوش قسمت ہے جسے جولی جیسی حسین اور طرار لڑکی نے اپنا شریکِ حیات چُنا ہے؟ مجھے یقین تھا کہ دولہا انھی لڑکوں میں سے کوئی ہوگا جو اس سے مستقل حجامت بنواتے تھے۔

شادی کے بعد جولی گرجا سے باہر آئی وہ آج ہمیشہ سے زیادہ حسین اور شگفتہ نظر آ رہی تھی۔ اُس نے اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے نوجوان کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا اور فوٹو کھنچوانے کے لیے ایک دلکش زاویے سے کھڑی ہو گئی۔ میری نگاہ دولہا پر پڑی۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ اُس نوجوان کے بال اس قدر لمبے تھے کہ میں نے اس سے پہلے کسی لڑکے کے سر پر نہیں دیکھے تھے۔ بھوری چمک دار لٹیں کندھوں سے نیچے تک جھول رہی تھیں۔ وہ بار بار انھیں سنوار رہا تھا۔ میں بازو پھیلاتے آگے بڑھا۔ میں نے اُن دونوں کو مبارک باد دی۔ پھر جولی سے کہا۔ "تم تو کہتی تھیں کہ تم کسی لمبے بالوں والے لڑکے کے ساتھ گھومنا پسند نہیں کرتیں؟ آج تمھارا یہ اُصول کہاں ہے؟"

وہ ہنسنے لگی۔ اُس نے ستائش کی نگاہ سے اپنے دولھا کو دیکھا۔

"وہ تو صرف ایک کاروباری حکمتِ عملی تھی۔ میں اپنے دادا کا کاروبار چمکانا چاہتی تھی لیکن میں کسی ایسے مرد سے کیسے شادی کر سکتی تھی جو میری ہر بات آسانی سے مان لیتا ہو؟ وہ سب بھیڑوں کے مانند تھے، میرے ساتھ صرف ایک شام گزارنے کے لیے وہ گنجے تک ہو سکتے تھے۔" اُس نے اپنے دولھا کا ہاتھ تھام کے فخر سے کہا۔ "جری اُن سب سے بہتر ہے۔ اس نے آخر تک میری بات نہیں مانی تھی۔ بہرحال اب ممکن ہے کہ یہ اپنی دُلھن سے مختلف نظر آنے کے لیے مردوں کی طرح حجامت بنوانے پر آمادہ ہو جائے۔"
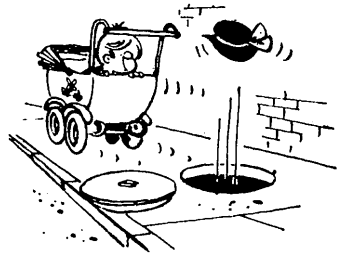
میرے ڈیڈی ہیں۔ وہ میری طرف پیٹھ کیے ہوئے ہیں لیکن میں انھیں پہچان گئی۔ میں انھیں سب سے پیاری ٹکیا دوں گی، لال والی۔" وہ خوشی سے پُھدکتی ہوئی آگے بڑھی۔ اس نے تینوں کی ہتھیلیوں میں ایک ایک ٹکیا رکھ دی۔ پھر اپنے باپ کے بازوؤں کے نیچے سے جھانک کے دیکھا، اپنا ہنستا ہوا چہرہ اوپر اٹھایا اور خوشی سے چلّا کے کہا" ڈیڈی! ڈیڈی! آہا دیکھیے، آپ کو کیا چیز ملی ہے۔ میں نے دی ہے، میں نے دی ہے۔"

کرنل مے فیسر نے گردن موڑ کے اپنی بیٹی کی دی ہوئی سوغات پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ پھر اس نے شفقت، درمندی، دل سوزی، کرب اور ہیجان کے عالم میں اپنی معصوم بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔

سپاہیوں اور افسروں نے باقی دو قیدیوں کو آزاد کر دیا اور کرنل مے فیسر کو روک لیا۔ خود بیٹی نے باپ کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ سب کے دل خون ہو رہے تھے، سب کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ لوگ بے اختیار رو پڑے مگر تھوڑی ہی دیر بعد ایک گمبھیر سنّاٹا چھا گیا۔ محافظوں کے افسر نے بمشکل اپنی جگہ سے حرکت کی، قیدی کا کندھا چھوا اور نرمی سے بولا" جناب مجھے بے حد دکھ ہے۔ لیکن میں اپنے فرض سے مجبور ہوں۔"

"فرض؟ مجبور؟ یہ کیسی باتیں ہیں؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا ہے۔" ابّی نے پلکیں پٹ پٹائیں۔

"انھیں یہاں سے لے جانا میرا فرض ہے۔ میں مجبور ہوں ننھی لڑکی! مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"لے جانا ہے؟ کہاں لے جانا ہے؟" ابّی کی حیرت بڑھ گئی۔

"قلعے کے دوسرے حصّے میں۔" افسر نے نگاہیں چرا کے کہا۔

"آپ انھیں ہرگز نہیں لے جا سکتے۔ میری ممّی بہت بیمار ہیں۔ میں تو اپنے ڈیڈی کو گھر لے جانے کے لیے آئی ہوں۔" ایک سپاہی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ اس سے ہاتھ چھڑا کے بھاگی اور جلدی سے باپ کی پشت پر سوار ہو گئی۔ پھر اس نے باپ کی گردن میں اپنے بازو حمائل کر دیے۔ "ڈیڈی! ابّی تیار ہے، چلیے گھر چلتے ہیں۔ فوراً چلیے۔ ممّی بہت بیمار ہیں۔"

"میری بچّی! میں نہیں جا سکتا۔" مے فیسر نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا" مجھے انھی لوگوں کے ساتھ جانا پڑے گا۔" ابّی نیچے کود دی اور حیران و پریشان ہو کر ارد گرد نظر دوڑانے لگی۔ پھر وہ بھاگ کر محافظ دستے کے افسر کے سامنے جا کے کھڑی ہو گئی اور اپنا چھوٹا سا پاؤں سخت طیش میں زمین پر مار کے چیخی" میں نے آپ کو بتایا ہے کہ میری ممّی بیمار ہیں۔ آپ کو میری بات سننی چاہیے۔ انھیں میرے ساتھ جانے دیجیے۔ آپ کو انھیں چھوڑنا پڑے گا۔"

"آہ بچّی! مجھے معاف کر دینا۔ کاش میں تمھارے ڈیڈی کو چھوڑ سکتا لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا۔ انھیں ساتھ لے جانا میرے لیے ضروری ہے۔ ہوشیار، خبردار! محافظو! صفیں درست! آگے قدم، آگے قدم۔"

ابّی چھلاوے کی طرح وہاں سے غائب ہو گئی۔ ایک لمحے بعد وہ لارڈ جنرل کا ہاتھ پکڑے ہوئے اور اسے کھینچتے ہوئے واپس آئی۔ لارڈ جنرل کے آنے سے سب خائف اور چوکنّے ہو گئے، افسروں نے اسے فوجی سلام کیے اور سپاہیوں نے بڑھ کر اسلحہ پیش کیا۔ ابّی نے اس سے کہا" لارڈ جنرل! انھیں روکیے، یہ میرے ڈیڈی کو لے جا رہے ہیں۔ میری ممّی بیمار ہیں اور ڈیڈی کو بلا رہی ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو بتایا بھی مگر یہ میری بات نہیں سنتے۔"

لارڈ جنرل کو جیسے سکتہ ہو گیا" کیا یہ تمھارے ڈیڈی ہیں؟"

"اور کیا، بالکل۔ یہی تو میرے ڈیڈی ہیں۔ میں ان سے اتنا پیار کرتی ہوں، اتنا پیار کرتی ہوں کہ بس۔ پھر میں لال والی پیاری پیاری ٹکیا کسی اور کو کیوں دیتی؟ کبھی نہیں۔ میں نے تو ڈیڈی کو دی۔"

لارڈ جنرل کو سخت دھچکا لگا۔ اس کے چہرے پر صدمے کا تاثر اُبھرا۔ وہ ہاتھ ملتے ہوئے بولا" آہ مجھ سے کیسا سفاکانہ فعل سرزد ہو گیا ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی اس فعل کا مرتکب نہ ہوا ہو گا اور اب اس کا کوئی تدارک بھی نہیں ہے، اب کوئی چارہ نہیں ہے، میں بے بس ہوں، اب میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

ابّی بے چین ہو کر چیخی" آپ یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ لوگ ڈیڈی کو چھوڑ دیں۔" وہ بے اختیار سسکیاں لینے لگی" ان سے کہیے کہ یہ ڈیڈی کو چھوڑ دیں۔ آپ نے خود وعدہ کیا تھا کہ میں جو کہوں گی وہ آپ مانیں گے۔ میں یہ پہلی بات کہہ رہی ہوں مگر آپ نہیں مان رہے ہیں۔"

بوڑھے اور پژمردہ چہرے پر اچانک صبح کا اجالا پھیل گیا۔ لارڈ جنرل نے چھوٹی سی مطلق العنان فرماں روا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا" میں نے بے سوچے سمجھے ایک وعدہ کر لیا تھا مگر شکر ہے کہ اس کی وجہ سے ایک الم ناک حادثہ رونما ہوتے ہوتے رہ گیا۔ افسر! یہ بچّی جو بھی فرمان جاری کرے، اس کی تعمیل کی جائے، اس کا حکم، میرا حکم ہے۔ قیدی کی سزا معاف کی جاتی ہے۔ اسے فوراً آزاد کر دو۔"

ترجمہ * اظہر کلیم

ایک عورت کی کہانی جسے ایک مرد نے سمجھ لیا تھا

وہ بے حد دل کش عورت تھی۔ اُس نے سگریٹ سُلگایا اور آرام کرسی کی پشت سے ٹک کے بیٹھ گئی۔ کشادہ اور سجے ہُوئے کمرے میں وہ اکیلی بیٹھی تھی۔ اُس کے سامنے ٹیپ ریکارڈر رکھا ہُوا تھا سگریٹ کا گہرا کش لے کے اُس نے محتاط اور دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔
”ڈارلنگ! یہ میں بول رہی ہُوں، تمھاری اینڈریا۔ ذرا محتاط ہو جاؤ۔ کہیں مارٹینی تمھارے گلاس سے چھلک کے نہ گر جائے۔ بہتر ہوگا کہ تم ایک بھرپور گھونٹ لے لو۔ ہاں،
اب ٹھیک ہے رالف ڈارلنگ! میں تمھیں ایک افسوس ناک خبر سُنانے والی ہُوں، مجھے یقین ہے کہ یہ بات تمھاری سمجھ میں کبھی نہیں آئے گی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میں تمھیں چھوڑ کے جا رہی ہُوں۔“

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ خیالات کے بادلوں سے اُس کی آنکھیں دُھندلا گئیں ”زندگی سخت بے کیف سخت یکساں ہو چکی ہے۔ انتہائی یکساں شب و روز گزر رہے ہیں۔ زندگی کی یکسانی کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ کل ہونے والا ہے، میں اُس کی پیش گوئی آج کر سکتی ہُوں۔ مجھے معلوم ہے کہ صبح سے شام تک سب کچھ کس ترتیب سے اور کس طرح ہوگا۔ ٹھیک سوا پانچ بجے بیرونی دروازہ کھلے گا، تم اندر داخل ہو کے میرے دائیں رخسار پر ہلکی سی چٹکی بھر و گے۔ پھر مارٹینی کے دو گلاس پیو گے گلاسوں کی تعداد میں کبھی کمی بیشی نہیں ہُوئی۔ مارٹینی پیتے وقت تم ٹیپ ریکارڈر چلا کے موسیقی سنتے ہو۔ پھر رات کے کھانے پر ہمارے درمیان وہی لگی بندھی گفتگو ہوگی۔ ایک جیسے سوالات، ایک جیسے مذاق اور اُکھی

بیزار کر دینے والی دوستوں کی رفاقت جو شادی کے پہلے روز سے اب تک ہمارے دوست چلے آ رہے ہیں، ہر روز، ہر رات، ہر شام، ہر صبح وہی اکتا دینے والی یکسانی۔ میں جانتی ہوں کہ اگر میں کہیں جانے کے بجائے یہیں رہی تو یہ یکسانی مرتے وقت تک برقرار رہے گی۔ اب اس یکسانی سے میرا دم گھٹنے لگا ہے۔"

اینڈریا کی نگاہ دیوار کی طرف اُٹھ گئی۔ وہاں پکاسو کا ایک شاہکار آویزاں تھا۔ اُسے ان تصویروں اور مجسموں سے بہت محبت تھی۔ کمرے میں کئی مجسمے تھے اور مشہور مصوّروں کی نادر تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ رالف کو ان چیزوں سے نفرت تھی۔ وہ انھیں خریدنا فضول خرچی خیال کرتا تھا۔ یہ سوچ کے ایک لمحے کے لیے اینڈریا بجھ گئی کہ اُسے یہ تمام چیزیں چھوڑ کر جانا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش وہ یہ چیزیں بھی اپنے ساتھ لے جا سکتی

"اس میں کوئی شک نہیں رالف کہ میں تمھیں پسند کرتی ہوں لیکن پسندیدگی کے باوجود تمھیں چھوڑ کر جاتے وقت مجھے اطمینان محسوس ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ گفتگو سنتے وقت تم آج پہلی مرتبہ مارٹینی کا تیسرا گلاس بناؤ گے۔ یہ بہت اچھی بات ہے، یہ تبدیلی تمھیں سکون پہنچائے گی۔ تیسرا گلاس بناتے وقت تمھیں تبدیلی کی ضرورت کا بھی احساس ہوگا۔"

"میں اپنے شوہر کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ کیا یہ میرا پاگل پن ہے؟ کیا میں ایک پاگل یا تباہ حال عورت ہوں؟ نہیں ڈارلنگ! ایسا نہیں ہے مگر میں ایک انسان ہوں اور زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں گیری کے ساتھ یہاں سے رخصت ہو رہی ہوں۔ گیری ویسا آدمی نہیں ہے جیسا تم اِس وقت اُسے سمجھ رہے ہوگے۔ تم ایک محاسب (اکاؤنٹنٹ) ہو۔ فی الحال محاسبانہ ذہنیت نظر انداز کر دو اور یہ محسوس کرنے کی کوشش کرو کہ جن لوگوں کو کاروباری تفصیلات سے دل چسپی نہیں ہوتی، وہ بالکل بیکار نہیں ہوتے۔ گیری ایک دل کش مرد ہے۔ اُس کی دل کشی کا تمھیں بھی اعتراف ہے مگر تم اُسے مفت خورا سمجھتے ہو میں کہتی ہوں کہ وہ مفت خورا نہیں ہے، وہ تم سے زیادہ عقل اور شعور رکھتا ہے۔ وہ ایک بہترین رفیق ہے ہم ہنستے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں، رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں۔ وہ مجھے ہیجانی کیفیات سے سرشار کرنے کا فن جانتا ہے، مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے، جیسے میرا جسم فضا کی بے پناہ وسعتوں میں اُڑ رہا ہے۔ یکسانی ختم ہو جاتی ہے، قید کی بیڑیاں کٹ جاتی ہیں اور میں ایک دفعہ پھر زندہ لوگوں کی طرح سانس لینے لگتی ہوں۔"

"میں جانتی ہوں کہ اس وقت تم ناگواری سے ٹیپ ریکارڈر پر بر خود غلط نگاہ ڈال رہے ہو۔ تمھارا انداز طنزیہ ہو جائے تو کوئی بات نہیں مگر میں چاہتی ہوں کہ تم میری باتوں پر جھلانے کے بجائے اطمینان سے غور کرو۔ میں اور گیری بہت مطمئن اور مسرور زندگی گزار سکتے ہیں۔ اگرچہ گیری کے پاس دولت نہیں ہے لیکن وہ بہت ذہین آدمی ہے، غیر معمولی ذہین۔ وہ کاروباری معاملات تم سے زیادہ جانتا ہے اور تخیل کے معاملے میں تم سے کہیں بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بینک سے تمام رقم نکلوا لی ہے اور کچھ حصص بھی فروخت کر دیے ہیں۔ اس وقت میرے بیگ میں ۷۵ ہزار ڈالر موجود ہیں۔ لیکن تمھیں جھنجلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمھارا ایک ایک سینٹ تمھیں لوٹا دیا جائے گا۔ ممکن ہے تمھیں اس رقم پر کچھ منافع بھی دے دیا جائے۔ گیری کے ذہن میں ایک بہت بڑا منصوبہ ہے۔ وہ یہ رقم کاروبار میں لگا کے مستقبل روشن کرے گا۔ اُس نے مجھے جو تفصیلات بتائی ہیں وہ میری ناقص عقل سے بالا ہیں تاہم اُن کی اہمیت سے میں انکار نہیں کر سکتی۔ نہ یہ تصوّر کر سکتی ہوں کہ ہمارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

اینڈریا آرام کرسی سے اُٹھ کے آہستہ آہستہ ٹیپ ریکارڈر کی طرف بڑھی، ٹیپ ریکارڈر کی ریل دھیرے دھیرے گھوم رہی تھی۔ وہ زیرِ لب مسکرانے لگی۔ "تم یہ گفتگو ٹھیک پانچ بج کر سترہ منٹ پر سنو گے۔ میں اُس وقت یہاں موجود نہیں ہوں گی مگر مجھے معلوم ہے کہ تم ٹیپ ضرور سنو گے۔ اُس وقت تک ہم تمھاری رسائی سے بہت دُور ہوں گے۔ ابھی دو بجے ہیں۔ میں بالوں کی آرائش کروانے جا رہی ہوں۔ ساڑھے چار بجے میں گیری سے اس کے ہوٹل میں ملوں گی۔ سوا پانچ بجے ہمارا طیّارہ ہوائی اڈے سے پرواز کر جائے گا اور ہم ایک ایسے مقام کی طرف سفر کر رہے ہوں گے جس کا سراغ تم ایک کروڑ سال میں بھی نہیں لگا سکتے۔ لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ زیادہ اُچھل کود نہ کرنا ڈارلنگ! میں جانتی ہوں کہ تم میں فیصلے کی قوّت انتہائی کم ہے۔ اس کے برعکس ہم نے جو فیصلہ کیا ہے اُس کے ہر پہلو پر بہت پہلے غور ہو چکا ہے۔ ہم نے ایک باقاعدہ معاہدہ کیا ہے۔ اس کے باوجود میں تمھیں رنجیدہ نہیں دیکھنا چاہتی رالف! اگر نئی زندگی کے ہنگاموں سے فرصت ملی تو میں تمھیں ایک آدھ خط ضرور لکھوں گی۔ اب میں اُڑنے کے لیے پر تول رہی ہوں، مجھے اجازت دو۔ گیارہ برس کی اس سوگوار ازدواجی زندگی کو الوداع۔ اِس کے بوجھ نے میری روح کچل رکھی تھی۔" اُس نے جلدی سے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبایا۔ گھومتی ہوئی ریل رک گئی۔ اُس نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر اپنا بیگ اٹھا کے باہر نکل گئی۔

☎

اینڈریا لفٹ سے اُتر کے سیدھی لیٹر بکس کے پاس پہنچی۔ فلیٹ کی چابیوں کا گچھا اُس نے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ پھر دروازے کے سامنے ٹہلتے ہوئے نگراں کو الوداع کہتی ہوئی عمارت سے دور ہوتی چلی گئی۔ اُس کے ذہن میں ایک ہی خیال تھا کہ وہ اس عمارت سے ہمیشہ کے لیے دُور جا رہی ہے، اس خیال سے وہ بار بار بے خود ہو رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ آخر اُس نے قسمت سنوارنے کا راستہ تلاش کر لیا ہے۔ اُسے خوشی تھی کہ گیری اُسے بر وقت مل گیا ورنہ عمر ڈھل جاتی تو ارمان محض ایک خواب بن کے رہ

جاتا۔ اُس کی ایڑیاں فٹ پاتھ پر ٹک ٹک کی تیز آواز پیدا کر رہی تھیں۔
کچھ دور پیدل چل کے وہ ایک ہیئر ڈریسنگ سیلون میں داخل ہو گئی۔ ماحول خوش بودار تھا اس لیے وہ خود کو بے حد تر و تازہ محسوس کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ گرم حمام میں لیٹی ہوئی مستقبل کے حسین خواب دیکھ رہی تھی۔ اُس کے ذہن میں گزشتہ برسوں کی ہلکی سی یاد بھی نہیں تھی۔ اُس نے اپنے شوہر کے ساتھ گیارہ برس گزارے تھے۔ سوا چار بجے اُس نے بل ادا کیا اور ملازمین کو فراخ دلی سے بخششیں دیتی ہوئی باہر نکل آئی۔ باہر آتے ہی اُس نے بازو لہرا کے ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی روکی اور دروازہ کھول کے پچھلی نشست میں دھنس گئی۔

چار بج کے پچیس منٹ پہ وہ گیری کے ہوٹل میں داخل ہوئی "مسٹر گیری میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" اُس نے مسکرا کے استقبالی کلرک سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کا قیاس درست نہیں ہے۔" کلرک نے دھیمی آواز میں اُس سے کہا۔

اینڈریا کو سانسیں رُکتی ہوئی محسوس ہونے لگیں "کیا مطلب؟" وہ چلائی "کیا مسٹر گیری میرا انتظار نہیں کر رہے ہیں؟"

"مجھے افسوس ہے۔" کلرک نے دُہرایا۔ اُس نے رجسٹر کے اندراجات دیکھے اور نگاہ اٹھا کے اینڈریا کی آنکھوں میں جھانکنے لگا "مسٹر گیری نے آپ کے لیے معذرت کا ایک پیغام چھوڑا ہے اور کہا ہے کہ وہ ایک ضروری کام سے فیرڈے بلڈنگ جا رہے ہیں اور پانچ بجے سے کچھ پہلے وہیں آپ سے ملاقات کریں گے۔"

اینڈریا ہانپنے لگی۔ وہ بُری طرح گھبرا گئی تھی۔ اُس کے چہرے پر پریشانی اور خوف کے اثرات منجمد ہو گئے۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی اُسے گیری سے یہ توقع نہیں تھی۔ محبت سے زیادہ ضروری کام کیا ہو سکتا ہے؟ گیری تو ہر کام چھوڑ کے اُس سے ملتا تھا۔ وہ کوئی کاروباری آدمی نہیں تھا اُس کی آمدنی معمولی تھی۔ وہ اپنی تنخواہ کے متعلق کبھی کوئی بات نہیں کرتا تھا وہ ایک معمولی سی تنخواہ پر گزر اوقات کر رہا تھا۔ پھر بھی اُس نے اینڈریا کو ایک کٹھن زندگی سے نجات دلائی تھی۔ اُن کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا مگر اس وقت اُس کی غیر موجودگی معاہدے کے سراسر خلاف تھی۔

اینڈریا دفعتہً بے یقینی کے انداز میں مسکرانے لگی۔ اُس نے کلرک کی طرف دیکھ کے اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے چلی آئی۔ گھومنے والے دروازے سے نکل کے اُس نے سوچا کہ گیری کا ضروری کام اُن کے منصوبے ہی کا ایک حصّہ ہوگا۔ وہ جانتی تھی کہ پرواز سے پہلے گیری کو کچھ انتظامات کرنے ہیں اُس نے ایک ٹیکسی روکی اور جلدی سے اُس میں بیٹھ گئی ٹیکسی فیرڈے بلڈنگ کی طرف جا رہی تھی۔ اینڈریا نے وقت دیکھا۔ پونے پانچ بجے تھے۔ وہ یہ سوچ کے مسکرا دی کہ اُس کا شوہر رالف اس وقت اپنے دفتر میں ہوگا۔ بے فکر اور بے پروا۔ اُسے ابھی یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ گھر میں ایک حیرت انگیز خبر اُس کا انتظار کر رہی ہے۔ اینڈریا کے ہونٹوں سے ایک طویل سرد آہ نکلی۔ ایک لمحے کے لیے وہ مغموم ہو گئی لیکن گیری کے ساتھ ایک تشفی اور پُر کیف زندگی گزارنے کے خیال نے جلد ہی اس کی اُداسی دُور کر دی۔ رالف کا تصوّر اُس کے ذہن سے غائب ہو گیا۔

ٹیکسی فیرڈے بلڈنگ سے کچھ دُور رک گئی۔ ڈرائیور نے کہا "ہم آگے نہیں جا سکتے خاتون! بازار میں بہت ہجوم نظر آ رہا ہے۔ غالباً کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ راستہ بند ہے۔"

اینڈریا اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے سامنے جھک گئی۔ ایک پولیس والا ہاتھ ہلا ہلا کے ٹریفک کو دوسری طرف مڑنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ زبردست ہجوم میں ایک ایمبولینس راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی "میرا خیال ہے کوئی بے چارہ کار والا اسے ٹکرا گیا ہے۔" اینڈریا نے کرب سے سوچا لیکن مسرّت کا احساس اس کے دل و دماغ پر اس قدر گہرا تھا کہ دُکھ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا۔ وہ کرایہ ادا کر کے ٹیکسی سے اُتری اور پیدل فیرڈے بلڈنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ ہجوم میں رفتہ رفتہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر شخص حادثے کی نوعیت معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ اینڈریا کو آگے بڑھنے میں بہت دشواری ہو رہی تھی۔ وہ بلڈنگ تک پہنچنے کے لیے بے چین تھی۔ حادثے کے متعلق اُس کے ذہن میں دُھندلا سا خیال بھی نہیں تھا۔ یہ اُس کے لیے بڑی مسرّت کا وقت تھا۔ اس وقت وہ کسی حادثے کی طرف توجّہ دینا نہیں چاہتی تھی۔ اُس کے قریب چند آدمی گفتگو کر رہے تھے "اوہ... میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا" ایک ٹھگنے آدمی نے کہا "یہ حادثہ بالکل میرے سامنے ہوا۔ اُوپر سے دفعتہً کوئی چیز گرنے کی جھلک نظر آئی پھر... آہ، کس قدر خوف ناک منظر تھا۔ اُف، یہ میں نے آج کیا دیکھ لیا۔"

اینڈریا اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ نہ معلوم کیوں اُس کا دل یکایک بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ اُس نے دریافت کیا "تم نے کیا دیکھا تھا؟"

ٹھگنے آدمی نے ایک خوب صورت عورت کو دلچسپی لیتے دیکھا تو اُس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا "ہاں، میں نے دیکھا تھا۔ وہ بدنصیب شخص دفعتہً اُوپر سے کودا اور فیرڈے بلڈنگ کے نیچے فٹ پاتھ پر کسی مُردے کی طرح گر پڑا۔"

"وہ خود کُودا تھا یا کسی نے دھکا دے کے اُسے گرایا تھا؟"

"ان دونوں باتوں میں کیا فرق ہے؟ نتیجہ تو دونوں کا ایک ہے۔" ٹھگنے آدمی نے کہا "اتنی بلندی سے گرنے کے بعد کسی کا زندہ رہنا محال ہے۔ اُف کس قدر خوف ناک منظر تھا۔"

اینڈریا کے دماغ میں طوفان سا اُٹھا۔ اُس کے کانوں میں سیٹیاں سی

بجنے لگیں۔ وہ لوگوں کو دھکیلتی ہوئی اُس فٹ پاتھ کی طرف بڑھی جہاں عمارت سے گرنے والے کی لاش پڑی تھی۔ اینڈریا کے ذہن میں شکوک سرسرانے لگے۔ نہ معلوم کیوں وہ مرنے والے کی لاش ایک نظر دیکھ کے اطمینان کر لینا چاہتی تھی۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" یہ جملہ اینڈریا کے ذہن میں بُری طرح چکرا رہا تھا۔ اُس نے ایک موٹے آدمی کی پنڈلی پر زور سے ٹھوکر ماری۔ وہ اچانک اُس کے سامنے آ گیا تھا۔ موٹا آدمی گھبرا کے ایک طرف ہو گیا۔ اینڈریا دیوانے ہاتھی کے مانند آگے بڑھ رہی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر زردی چھائی ہوئی تھی اور رخسار سفید ہو گئے تھے۔

لاش پر سفید چادر پڑی ہوئی تھی۔ اسپتال کا عملہ اُسے اسٹریچر پہ ڈال کے ایمبولینس کی طرف لے جا رہا تھا۔ "میں بھی کتنی احمق ہوں۔" اینڈریا نے سوچا۔ "آخر مجھے اس پریشانی میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" اچانک اُس کی نگاہ ایک قیمتی جوتے پر پڑی۔ جوتے کا تسمہ لاش زمین پر گرتے ہی ٹوٹ گیا تھا اور جوتا لاش کے پاؤں سے نکل کے گر گیا تھا۔ اینڈریا کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی چند قدم آگے بڑھی تاکہ گرنے سے محفوظ رہے، پھر جلد ہی وہ توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ جوتا شناخت کرنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے گزشتہ ہفتے گیری کو دو چیزیں تحفۃً دی تھیں۔ ایک رُمال اور ایک جوڑی جوتا۔ رومال پہ دو حرف کڑھے ہوئے تھے، جی اور ایے۔ جوتے کے لیے اُس نے پچپن ڈالر خرچ کیے تھے۔

ایمبولینس آہستہ آہستہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔ "نہیں، نہیں نہیں۔" اینڈریا کا دل چیخ اٹھا۔ اُس کے ہونٹ کانپ کے رہ گئے اور آنکھوں سے مُردنی جھلکنے لگی۔ ہجوم رفتہ رفتہ منتشر ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ فٹ پاتھ پر تنہا کھڑی تھی۔ اُس نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے فیبرڈے بلڈنگ کی بلندی دیکھی۔ دیواروں کا لامتناہی سلسلہ اُسے خود پر گرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے دیواریں اُس پہ گر کے اُسے کچلنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

اُسے اپنا پورا جسم شل معلوم ہو رہا تھا۔ وہ خود کو ایک بے جان لاش تصوّر کر رہی تھی۔ سامنے ایک شراب خانہ تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی شراب خانے میں گھس گئی۔ مارٹینی کے تین گلاس پینے کے بعد وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئی۔ اُس کا عزیز ترین دوست، اُس کا محبوب اس کا مثالیہ مر چکا تھا۔ وہ شخص مر چکا تھا جس کے ساتھ اُس نے مستقبل کے حسین ترین خواب وابستہ کیے تھے۔ کیا اس کے ساتھ اُسے بھی مر جانا چاہیے؟ نہیں، میں زندہ رہوں گی، میں زندہ رہوں گی، یہ میرا نصب العین ہے لیکن زندہ کس طرح رہا جائے؟ اب میں زندہ کیسے رہ سکتی ہوں؟ گیری کے بعد اُسے کوئی منزل سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر یکبارگی رالف کا چہرہ اُس کے تصوّر میں اُبھرا۔ رالف کے ساتھ اس نے گیارہ بنجر سال گزارے تھے۔

اُس نے دیواری گھڑی دیکھی۔ پانچ بجنے میں صرف ایک منٹ باقی تھا۔" اوہ! آخر گیری کے ساتھ یہ حادثہ پیش کیوں آیا؟ وہ گم سم بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی۔ گیری تو بلندی سے بہت ڈرتا تھا۔ وہ بلند کھڑکیوں کے قریب کبھی نہیں جاتا تھا۔ پھر آج وہ ایک خونی کھڑکی کے قریب کیوں چلا گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ رالف کے معمول میں آج کوئی فرق واقع ہو گیا ہو؟ وہ جلد گھر آ گیا ہو اور اُس نے میرا پیغام وقت سے پہلے سن لیا ہو؟ اگر ایسا ہوا ہے تو اُس نے فوراً گیری کو فون کیا ہو گا۔ ممکن ہے اُس نے گیری سے سودے بازی کی ہو۔ رالف ایک غیر جذباتی، کاروباری اور سودے باز آدمی ہے۔ ممکن ہے سودے بازی کے دوران میں اُسی نے گیری کو کھڑکی سے دھکیل دیا ہو؟ بلند ترین کھڑکی سے گرنے کے بعد کسی کے بچنے کا ایک فی صد امکان بھی نہیں رہتا۔ خالی گلاس پر اُس کی نازک انگلیوں کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ نہیں، یہ ناممکن ہے۔ رالف ایسا نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کوئی دوسرا شوہر یہ انتہائی قدم اٹھا لے لیکن رالف کے لیے یہ ایک ناممکن بات ہے۔ وہ تو معمول کے خلاف گھر بھی واپس نہیں آ سکتا لیکن اگر ایسا ہوا ہے تو اُس کے سوا گیری کا قاتل کوئی نہیں ہو سکتا۔ رالف قاتل ہے، مگر نہیں، میں رالف کو گیارہ سال سے جانتی ہوں۔ رالف کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔

دفعتہً اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے رالف کے سوا اس بھری دنیا میں اُس کا کوئی نہیں ہے۔ اُس کی آنکھیں چھلک گئیں۔ اوہ رالف! پیارے رالف! میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ میں تمھارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگرچہ تم ایک بے کیف آدمی ہو لیکن تمھارا سہارا بہت مضبوط ہے۔ تم نے گیارہ برس کی طویل مدّت تک مجھے مضبوط سہارا دیا ہے۔ اس بے وفا دنیا میں اتنی طویل رفاقت کون نبھاتا ہے؟

وہ تن کے بیٹھ گئی۔ پانچ بج کے تین منٹ ہوئے تھے۔ ٹھیک چودہ منٹ بعد رالف مارٹینی کا گلاس ہاتھ میں لے کے ٹیپ ریکارڈر کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہ شراب کی چسکیوں کے دوران میں موسیقی سے محظوظ ہونا بہت پسند کرتا ہے۔

وہ سسکیاں بھرتی اور کانپتی ہوئی شراب خانے سے اٹھی۔ وہ اپنے شوہر سے پہلے گھر پہنچ جانا چاہتی تھی۔ اگر وہ اس آخری کوشش میں ناکام ہو گئی تو اُس کا وجود برقرار نہیں رہے گا۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی سڑک پہ پہنچی۔ ایک ٹیکسی نے اُس کا منتشر وجود سمیٹا اور تیزی سے چلنے لگی۔ ٹیکسی کی رفتار بہت تیز تھی لیکن اینڈریا کو وہ رینگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اُس نے رو رو کر ڈرائیور سے تیز رفتاری کی درخواست کی اور بیس ڈالر کا ایک نوٹ اُس کی گود میں پھینک دیا۔ پھر بھی ٹیکسی کی رفتار میں اضافہ نہیں ہوا۔

پانچ بج کر اٹھارہ منٹ پر ٹیکسی رالف کے گھر کے سامنے پہنچی۔ گھر وہ چھوٹی سی دنیا، جہاں اینڈریا نے گیارہ سال گزارے تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی لفٹ تک پہنچی اور ملازم سے درخواست کی کہ وہ ہر ممکن تیزی سے اسے اوپر پہنچا دے۔ پانچ بج کے بیس منٹ پر وہ دروازے کے سامنے کھڑی ہوئی اپنا بیگ

ٹٹول رہی تھی۔ اوہ! چابیاں کہاں چلی گئیں؟ اُس نے سوچا، پھر جیسے اُس کا خون خشک ہو گیا۔ چابیوں کا گچھا تو اُس نے لیٹر بکس میں ڈال دیا تھا۔ اُس نے پاگلوں کی طرح فلیٹ کی گھنٹی کا بٹن دبا دیا اور اُس وقت تک دبائے رہی جب تک اُسے دوسری جانب رالف کی چاپ سنائی نہیں دی۔

ایک طویل اور جان لیوا وقفے کے بعد دروازہ کھل گیا۔ رالف اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں مارٹینی کا گلاس تھا۔ اینڈریا کو دیکھتے ہی وہ خوش دلی سے مسکرانے لگا۔ اُس نے حسبِ معمول کچھ جھک کے اینڈریا کے دائیں رخسار پر ہلکی سی چٹکی بھری۔ اینڈریا غم کے باعث نڈھال ہو رہی تھی وہ دیوانہ وار رالف سے لپٹ گئی۔ رالف کے ہونٹ اُس کے زرد ہونٹوں سے ڈھک گئے۔ رالف اُس کی گرم جوشی پر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ "میری چابیاں کہیں کھو گئی ہیں۔" اینڈریا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اتنی معمولی بات پر پریشان کیوں ہو رہی ہو؟ لو، مارٹینی پیو۔"

"شکریہ"۔ اینڈریا نے گلاس لے لیا اور آہستہ آہستہ ٹیپ ریکارڈر کی طرف کھسکنے لگی۔ کمرے کا ماحول پُرسکون تھا۔ وہ خوش تھی کہ رالف نے ابھی ٹیپ ریکارڈر نہیں کھولا ہے۔ غالباً گھر آنے کے بعد وہ ابھی مارٹینی کا پہلا جام پی رہا تھا۔

اُس نے کنکھیوں سے رالف کی طرف دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ اگر اس نے ٹیپ کی ہوئی گفتگو سن لی ہوتی تو اتنا مطمئن اور پُرسکون رہتا؟ "کیا تم نے ابھی تک موسیقی کا ٹیپ نہیں چلایا؟" اینڈریا نے لہجہ قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ ٹیپ دوسرے گلاس کے ساتھ چلاؤں گا۔" رالف نے اطمینان سے کہا۔ "بہر حال تم چلا دو۔"

"اوہ۔" اینڈریا کھل اٹھی۔ رالف مجھ سے صرف چند منٹ پہلے گھر پہنچا ہے۔ اگر مجھے تھوڑی سی بھی دیر ہو جاتی تو وہ یقیناً میرا پیغام سن لیتا۔

اینڈریا نے ٹیپ کی طرف دیکھا۔ وہ جہاں اُسے چھوڑ گئی تھی، وہیں موجود تھا۔ اچانک ایک خیال نے اُسے بے تاب کر دیا۔ کہیں رالف نے پیغام سننے کے بعد فیتا دوبارہ تو نہیں لپیٹ دیا؟ کہیں وہ سوا پانچ بجے کے بجائے سوا تین بجے تو گھر واپس نہیں آ گیا تھا؟ یہ ایک احمقانہ خیال ہے، اُس نے سوچا۔ رالف کبھی وقت سے پہلے نہیں آتا۔ اُس نے رالف سے کہا۔ "آج ہمیں موسیقی کا وہ ٹیپ سننا چاہیے جو تم کل خرید کے لائے تھے۔" اینڈریا نے مشین سے پہلا ٹیپ نکال کے کتاب کے نیچے رکھ دیا۔ وہ نظر بچا کے پہلا ٹیپ آتش دان میں پھینک سکتی تھی اور جہاں تک بیگ میں رکھی ہوئی رقم کا سوال تھا، وہ دوسرے روز دوبارہ بینک پہنچائی جا سکتی تھی۔ اینڈریا مطمئن ہو گئی کہ اب رالف کو کبھی معلوم نہیں ہو گا کہ اُس نے کیا حرکت کی تھی۔ "رالف!" اُس نے انتہائی محبت سے کہا۔ گیری کی موت کے بعد رالف اُسے پہلے سے کہیں زیادہ اچھا اور خوب صورت نظر آ رہا تھا۔ "میں تم سے شدید محبت کرتی ہوں۔"

"شکریہ ڈارلنگ!" رالف نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

اینڈریا خواب ناک حالت میں چلتی ہوئی کھڑکی کی طرف بڑھی۔ رالف کی نگاہ اُس پر جمی ہوئی تھی۔ اُس نے جیب سے ایک ریشمی رومال نکالا اور اُس سے اپنی گردن صاف کرنے لگا۔ رومال پہلے سے خون آلود تھا۔ اُس کی نگاہ رومال پر کڑھے ہوئے دو حرف جی اور اے پر پڑی۔ اُس کا چہرہ سخت ہو گیا۔

ایک غیر جذباتی شوہر کتنی بڑی نعمت ہے۔ اینڈریا سوچ رہی تھی۔ بے کیف، یکسانی کا شکار لیکن اُس کی ذات سے کتنا بڑا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

رالف نے ریشمی رومال جلتے ہوئے آتش دان میں پھینک دیا۔ چند لمحوں میں خون آلود رومال کی جگہ ایک سیاہ دھبے نے لے لی۔ وہ اینڈریا کی طرف بڑھا۔ اُس کے بازو اپنی بیوی کی پتلی کمر میں حمائل ہو گئے۔ اینڈریا نے محبت سے اُس کا ہاتھ دبایا اور وہ دونوں کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے لگے۔

عورت ہمیشہ سے ایک دلچسپ اور دل پسند موضوع، عورت ایک چیستاں نقابوں میں چھپی ہوئی، پرتوں میں لپٹی ہوئی، بظاہر ایک کورا کاغذ، بباطن داستان در داستان سِرِّ نہاں، جس کا کوئی آغاز نہ انجام، نہ شمال نہ جنوب۔ دُنیا بھر کے دانشوروں نے اسے پڑھنے کی کوشش کی اور حاصل میں ان گنت کلیوں اور مقولوں کا انبار لگایا مگر عورت کی کائنات ہنوز ایک سربستہ راز ہے۔

خیر، یہ کلمات تو یونہی قلم ریز ہو گئے۔ مقصود ان تحریروں کے بارے میں عرض کرنا تھا جو آپ آئندہ صفحات میں پڑھنے والے ہیں۔ اتفاق سے یہ تین ایسی کہانیاں یکجا ہو گئی ہیں جن کا تعلق تین عورتوں سے ہے۔ ہمارے زمانے کی عورتیں، پتھر کی، موم کی عورتیں، جنہیں ہم روز دیکھتے ہیں۔ ان تحریروں کے مصنفوں نے اس کائنات کی گرہ کشائی کا دعوا نہیں کیا ہے۔ ان کا مقصد محض کہانی سنانا ہے۔ ایک دلچسپ اور خوب صورت کہانی ——— لیکن تینوں تحریروں سے مختلف صورت حالات میں عورت کے کتنے رُخ سامنے آتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ مقولے مفروضے اور کلیے نہیں ہیں، صرف کہانیاں ہیں۔ آپ کا وقت اچھا گزرے گا۔

ہمارے عہد کے درویش، پانچویں درویش کی جانب سے

ایک مہتاب رُخ اور گل اندام عورت کی کہانی

اس میں چاند اور پھول کی تمام رعایتیں موجود ہیں

وہ باہر نکلا۔ جیل کا آہنی پھاٹک بند ہوا اور جیکین کے ماضی کا یہ بھیانک باب ختم ہو گیا۔ کیا یہ افسوس ناک باب واقعی ختم ہو گیا ہے؟ کیا دُنیا میرا ماضی نظرانداز کر سکتی ہے؟ اُس نے جلدی سے اپنے ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ٹھونس لیے۔ اُف، میں ایک سابق قیدی ہوں۔ اُس کی راہ میں ایک پتھر آیا۔ جیکین نے اُسے ٹھوکر ماری۔ پتھر لڑھکتا ہوا دُور جا گرا۔ جیکین بڑھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اُس سے چوری کا جرم سرزد نہ ہوا ہوتا لیکن اب یہ سوچنے سے کیا فائدہ۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اُس نے ایک جرم کیا تھا اور اُس کی سزا بھگت لی تھی۔

تیز ہوا سے اُس کے گھنگریالے بال منتشر ہو رہے تھے۔ اُس کی آنکھیں اندیشہ ہائے دُور و دراز میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے اپنا ماضی بھول کر زندگی از سرِنو شروع کرنی چاہیے۔ وہ سڑکوں پر اِدھر سے اُدھر گھومتا رہا اور مسلسل مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ نیون سائنوں کے رنگین اشتہارات اُسے بہت اچھے معلوم ہو رہے تھے لیکن وہ حیران تھا کہ کہاں جائے؟ اُس کے آس پاس ایک ہجوم تھا۔ لوگ ٹہل رہے تھے، بھاگ رہے تھے، پاؤں گھسیٹ کر چل رہے تھے اور کاریں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ جیل سے باہر سب کچھ متحرک تھا۔ جیل میں حبس تھا، یکسانی تھی۔ وہاں ہر شے پر جمود طاری تھا لیکن باہر ہر چیز حرکت کر رہی تھی اور ذرہ ذرہ تغیر پزیر تھا۔ اُس کی نگاہ ایک نیون سائن پر جم گئی۔ وہ ایک رفاہی ادارے کا اشتہار تھا۔ "رفاہِ عام" کے لفظوں میں رنگین روشنیاں بہہ رہی تھیں۔ رفاہِ عام کے نیچے بھی کچھ لکھا ہوا تھا لیکن کسی خرابی کے باعث نیچے روشنی نہیں تھی۔ جیکین وہ سطر نہیں پڑھ سکا۔

وہ رفاہی ادارے کے سامنے رُک گیا۔ اُس کے ہونٹ خفیف مسکراہٹ سے لرز رہے تھے۔ عمارت کے در و دیوار، کھڑکیوں اور چمنیوں میں ایک وقار تھا، تشکوہ تھا۔ جیکین کا ہاتھ اپنی گٹھری پر جم گیا۔ اُس نے بایاں ہاتھ جیب سے نکالا اور دھڑکتے ہوئے دل سے زینے کی طرف بڑھا۔ ایک سُرخ و سفید پُرکشش لڑکی نے اُس کا استقبال کیا۔ "کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟"

"ج... ج... جی ہاں۔" اُس نے ہکلا کے کہا۔ وہ لڑکی کے اشارے پر ایک شان دار کمرے میں داخل ہوا اور اُس کے کہنے سے ایک

میری گیلانی ✿ اظہر کلیم

پہلی نازنین کی کہانی

کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس کے چہرے پر ہچکچاہٹ تھی۔ لڑکی نے استفہامی نگاہ سے اُس کی طرف دیکھا۔ "فرمائیے۔ میں آپ کے لیے کیا کرسکتی ہوں؟"

"دراصل۔۔۔۔" وہ خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ "میرے لیے وضاحت کرنا مشکل ہے۔"

"اوہ۔" لڑکی کے ہونٹ سکڑ گئے مگر اُس کے چہرے کی نرمی برقرار رہی۔ "کوئی بات نہیں۔ آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں کہہ دیجیے۔ ہم ہر قسم کی باتیں سننے کے عادی ہیں۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔ جیکسن خاموش رہا۔ اُس کی آنکھوں میں تذبذب تھا۔ "گھبرائیے نہیں مسٹر! یہ رفاہِ عام کا دفتر ہے۔ ہم یہاں اسی لیے بیٹھے ہیں کہ مجبوروں کے لیے زندہ رہنے کا موقع فراہم کریں۔" جیکسن نے سر جھکا لیا۔ وہ مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ لڑکی نے دریافت کیا۔ "کیا آپ کو کسی نے یہاں بھیجا ہے؟"

"جی نہیں۔ میں سامنے سے گزر رہا تھا کہ اچانک آپ کے نیون سائن پر نگاہ پڑ گئی۔" اُس نے دوبارہ سر جھکا لیا۔ "دراصل میں۔۔۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے جیل سے رہا ہوا ہوں۔"

"اوہ۔" لڑکی نے افسوس ظاہر کیا۔ "بہرحال آپ اچھے آدمی نظر آتے ہیں۔ آپ نے جس جرم کی سزا کاٹی ہے، غالباً اُس پر آپ کو ندامت ہے؟ خیر آپ مجھے تفصیل سے اپنے حالات اور عزائم بتائیے۔ میں کوشش کروں گی کہ آپ کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کروں۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، بے تکلفی سے کہہ دیجیے۔ اگر آپ کے دل و دماغ پر کوئی بوجھ ہے تو وہ ختم ہو جائے گا۔ آپ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کریں گے۔"

جیکسن کا دل بھر آیا۔ وہ ممتا کے پیار سے محروم رہا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُس کے والدین کون تھے۔ ممکن ہے وہ معزز افراد ہوں لیکن جس آدمی نے ایک یتیم خانے میں ہوش سنبھالا ہو اُسے یہ باتیں کیا معلوم۔ لڑکی کی باتوں میں بے حد نرمی اور محبت تھی۔ جیکسن کا دل چاہا کہ وہ اسی طرح بیٹھا ہوا اُس کی ٹھنڈی میٹھی باتیں سنتا رہے اور اُس کی موہنی صورت تکتا رہے۔ لڑکی کی نگاہ اُس پر جمی ہوئی تھی۔ جیکسن کو خیالوں میں اُلجھا ہوا دیکھ کر اُس نے استدعا کی۔ "پلیز مجھے بتائیے کیا بات ہے؟"

جیکسن نے پہلی بار آنکھ اُٹھا کے غور سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اُس کی مسکراتی ہوئی نیلی آنکھوں میں جھیل جیسی گہرائی تھی۔ جیکسن اُن آنکھوں میں ڈوب کے رہ گیا۔ لڑکی دل فریب انداز میں ہنسی۔ "میرا خیال ہے۔ آپ کی کہانی بھی وہی ہوگی جو جیل سے چھوٹنے والے اکثر لوگ سناتے ہیں؟"

"میں نے زندگی کے مصائب سے گھبرا کے کبھی کسی کو لوٹنے کی کوشش نہیں کی۔" جیکسن نے کہا۔ "میں ایک قناعت پسند آدمی تھا۔" اُس نے اپنے حالات شروع کیے۔ "میں ویٹر کی حیثیت سے ایک کیفے میں کام کرتا تھا۔

دو سال تک میرا دامن بے داغ رہا پھر ایک روز ایک شخص وہاں آیا۔ اُس نے بل کی ادائی چیک کے ذریعے کی۔ وہ ایک جسیم آدمی تھا لیکن نشے کی وجہ سے اُسے قطعی ہوش نہیں تھا۔ اُس نے چیک پر دستخط تو کر دیے لیکن رقم درج نہیں کی۔ میرا دل فوراً بے ایمانی پر اُتر آیا۔"

"اوہ۔ یہ واقعی ایک ناشائستہ حرکت تھی۔"

"مجھے احساس ہے۔ میں آیندہ اِس کا اعادہ نہیں کروں گا۔" جیکسن نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ایک نئی زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ کیا معاشرہ مجھے دوبارہ قبول کر لے گا؟"

"کیوں نہیں کرے گا۔ فی الحال آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ کے اعصاب کھنچاؤ کا شکار ہیں۔" لڑکی نے جیکسن کے چہرے پر چھائی ہوئی بے بسی محسوس کر لی تھی۔ جیکسن پلکیں جھپکائے بغیر غور سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اُسے ایک دیوی نظر آ رہی تھی۔ لڑکی نے اُس سے بہت حوصلہ افزا گفتگو کی، اُس کے تمام خدشات باطل قرار دے دیے پھر اُس کے حالات ایک رجسٹر میں لکھ لیے۔ اُس کا نام مس تھامپسن تھا۔

مس تھامپسن نے اُسے مسٹر بڈ کے پاس بھیج دیا۔ مسٹر بڈ ایک دُبلا پتلا آدمی تھا۔ اُس نے مس تھامپسن کی رپورٹ اور سفارشی تحریر پڑھی پھر جیکسن کی طرف دیکھ کے مسکرایا۔ "مس تھامپسن آپ سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔"

"جی ہاں جناب! وہ ایک مہربان لڑکی ہیں۔" جیکسن نے احسان مندی سے کہا۔ "انھوں نے مجھے نیا حوصلہ دیا ہے۔ نئی زندگی دی ہے۔ میں اب خود کو بے بس اور تنہا محسوس نہیں کر رہا ہوں۔"

مسٹر بڈ نے اُسے اپنی اور مس تھامپسن کی سفارشی تحریر کے ساتھ مسٹر ریکل کے پاس بھیج دیا۔ مسٹر ریکل نے کچھ ذمّے داریاں اُس کے سپرد کیں۔ جیکسن چند روز تک وہیں کام کرتا رہا۔ اُس نے اپنی ذمّے داریاں بخوبی انجام دیں۔ مسٹر ریکل نے اُس سے مطمئن ہو کے اُسے ایک کیفے میں ویٹر رکھوا دیا۔ یہاں کی ملازمت میں جیکسن کو ایسا محسوس ہوا جیسے لمحوں کو پر لگ گئے ہوں۔

وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ مس تھامپسن نے ایک ہی ملاقات میں اُس پر عجیب تاثر قائم کیا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، جیکسن کے دل میں اُس کی یاد گہری ہوتی جا رہی تھی۔ مس تھامپسن کی موہنی صورت ہر وقت جیکسن کی آنکھوں میں گھومتی رہتی اور اُس کی ٹھنڈی میٹھی آواز ہر وقت کانوں میں جل ترنگ بجاتی رہتی۔ وہ مس تھامپسن سے ایک بار پھر ملنا چاہتا تھا لیکن کوئی بہانہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ روزانہ رفاہِ عام کے دفتر جاتا لیکن اُسے عمارت میں داخل ہونے کی ہمت نہ پڑتی اس لیے واپس آ جاتا۔ اُسے یہ خوف تھا کہ مس تھامپسن کو اُس کے متعلق کوئی شک نہ ہو جائے۔ دوسری طرف دل میں بار بار اُسے دیکھنے کی اُس سے ملنے کی ہوک اُٹھتی تھی۔ آخر ایک روز وہ اپنی ہمت مجتمع کر کے اُس کے دفتر پہنچ ہی گیا۔ اُس نے رُک کر دروازے پر دستک دی اور منتظر رہا۔ فوراً آواز آئی: "کون ہے؟ اندر آ جاؤ۔"

وہ سر جھکائے شرمایا ہوا اندر داخل ہوا۔ "صبح بخیر مس!"

مس تھامپسن نے مسکرا کے جواب دیا۔ "صبح بخیر مسٹر جیکسن! کیسے ہیں آپ؟"

"بہت اچھا ہوں مس! میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ آپ نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے۔" جیکسن کی نگاہ مس تھامپسن کی جھیل جیسی نیلی آنکھوں سے ہوتی ہوئی اُس کی صراحی دار گردن تک پہنچی پھر سینے سے پیروں تک چلی گئی۔ مس تھامپسن نسائیت کا شاہکار تھی۔

"کسی کی مدد کر کے مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ ہمارا کام ہی یہ ہے۔" مس تھامپسن نے نرمی سے کہا اور غور سے جیکسن کو دیکھنے لگی۔ جیکسن گھبرا کے اُٹھ گیا۔ "اچھا مس! اجازت دیجیے۔" مس تھامپسن نے اپنا حسین ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھایا۔ جیکسن نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اگر حالات مختلف ہوتے تو وہ یہ نرم و نازک ہاتھ کبھی نہ چھوڑتا۔ وہ اُس حسین لڑکی کا غلام بن کر رہنے میں فخر محسوس کرتا۔ اُس نے ہاتھ ملایا اور جتنی جلدی ممکن تھا، دروازے سے باہر آ گیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ زیادہ دیر تک مس تھامپسن کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے جذبات میں ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔

وہ اُس کا ہاتھ چومنے کی خواہش دل میں لیے ہوئے زینے سے اُترا۔ اُس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اُسے احساس ہوا کہ مس تھامپسن اُس کا مثالیہ ہے اور اب تک وہ ایسی ہی کسی لڑکی کی تلاش میں تھا۔ اُس نے اُسے اپنے دل میں بسا لیا اور عہد کیا کہ زندگی بھر اُس کی پرستش کرتا رہے گا۔ اُسے یقین تھا کہ اب اُس کی زندگی میں کوئی اور لڑکی داخل نہیں ہو سکتی۔ اُس کے دل و دماغ پر نشہ چھا گیا۔ وہ اپنی پوری زندگی اسی نشے کے سہارے گزار سکتا تھا۔

کیفے کا مالک بارٹن ایک موٹا تازہ آدمی تھا۔ اُس کے مزاج میں سختی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے تھے۔ اُن کی وجہ سے اُس کا چہرہ کچھ بھیانک دکھائی دیتا تھا۔ شروع میں جیکسن اُس کی سخت گیری سے بہت گھبرایا مگر اُس نے ہمت نہیں ہاری اور دل جمعی سے کام کرتا رہا۔ جیل میں اُس نے بڑی مشقت اُٹھائی تھی اس لیے محنت کا عادی ہو گیا تھا۔ ناشتے کے وقت سے رات کے کھانے تک اُسے طرح طرح کے کام کرنے پڑتے تھے۔ ان کاموں میں جیکسن بے حد منہمک رہتا تھا۔ لہٰذا دوسرے خیالات اُس کے ذہن میں نہیں آتے تھے البتّہ تنہائی میں مس تھامپسن کا پُرکشش چہرہ اُس کے سامنے آ جاتا تھا۔ جیکسن بند آنکھوں سے اُسے تکتا

رہتا تھا۔ کام، غذا اور سونے کے لیے آرام دہ بستر، یہ سب چیزیں اُسے میسر تھیں۔ بس مس تھامپسن کی کمی تھی اور یہ کمی وہ خوابوں سے پوری کرتا تھا اور مطمئن تھا۔

کیفے کا مالک بارٹن جیکسن کی دیانت، محنت اور مستعدی سے بہت متاثر تھا۔ اب وہ اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنے لگا تھا۔ جیکسن نے اُس کے دل میں جگہ بنالی تھی اس لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی ذمے داریاں بھی بڑھتی گئیں۔ ایک دن بارٹن نے اُس سے کہا "جیکسن! تمھیں یہاں کام کرتے ہوئے ڈیڑھ سال ہو گیا ہے۔"

"جی ہاں۔" جیکسن نے انکسار سے کہا۔

"تم شاید میری بیوی کے انتقال کے بعد یہاں آئے تھے؟"

"جی ہاں جناب!"

"ہوں۔" بارٹن خاموش ہو کے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

کچھ دیر بعد اُس نے جیکسن کی طرف نگاہ اُٹھائی "تم بہت اچھے لڑکے ہو جیکسن! بہت محنت سے کام کرتے ہو۔"

جیکسن کو افسوس ہوا کہ بارٹن اُس کی خدمات کا صحیح اعتراف نہیں کر رہا ہے۔ بارٹن نے دھیمی آواز میں کہا "اگر میرا بیٹا زندہ رہ جاتا تو آج تمھاری عمر کا ہوتا۔"

جیکسن کا منہ کھل گیا "اوہ۔"

"وہ دس سال کی عمر میں مر گیا تھا۔ پھر میری بیوی بھی مر گئی۔ میری زندگی میں خلا پیدا ہو گیا۔ میں شدید تنہائی محسوس کرنے لگا۔" اُس نے پھر رومال سے پونچھا "تمھارا باپ نہیں ہے اور میں بیٹے سے محروم ہوں۔ تم سمجھ رہے ہو نا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟" جیکسن نے چونک کر بارٹن کی طرف دیکھا۔ پھر اُس کی آنکھیں جھک گئیں۔

چھ مہینے بعد بارٹن فوت ہو گیا۔ وہ اپنا کیفے اور اپنی تمام دولت جیکسن کے نام کر گیا تھا کیونکہ دنیا میں اُس کا کوئی نہیں تھا۔ اب جیکسن کی ذمے داری بہت بڑھ گئی تھی۔ اُس نے شب و روز محنت کر کے رفتہ رفتہ کیفے کو ایک مثالی ریستوران بنا دیا۔ لندن کے وسط میں ایک پرسکون اور خوب صورت ریستوران۔ بارٹن زندہ ہوتا تو وہ یہ ریستوران دیکھ کر کتنا خوش ہوتا۔ جیکسن کو یقین تھا کہ بارٹن کی روح پرسکون ہوگی۔ وہ ہر اتوار کو اُس کی قبر پر پھول چڑھانے جاتا تھا۔

کاروبار بڑھتا رہا۔ ہفتے، مہینے اور سال گزرتے رہے۔ اب جیکسن کا ریستوران شہر کے چند گنے چنے ہوٹلوں میں شامل ہوتا تھا۔ متمول لوگ وہاں آکے فخر محسوس کرتے تھے کیونکہ جیکسن کی انتظامیہ انھیں اُن کی رقم کا صحیح عوض فراہم کرتی تھی۔ جیکسن ایک مقبول شخص بن گیا تھا۔ لوگ اُس کی قربت کے متمنی رہتے تھے لیکن وہ ہجوم سے گھبراتا تھا۔ اُس کے دل میں تو صرف مس تھامپسن بسی ہوئی تھی حالانکہ اُس نے کئی سال سے اُسے دیکھا تک نہیں تھا۔ شہر کی بہت سی لڑکیاں تتلیوں کی طرح اُس کے گرد منڈلاتی تھیں لیکن وہ کسی کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔ اُس کا ذہن اپنے مثالیے سے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوا۔

شام بہت مصروف تھی۔ ایک سیاہ فام ویٹرس جیکسن کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے بتایا "سرا! ریستوران میں ایک خاتون بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ دیکھنے میں اچھی خاصی ہے لیکن بل ادا نہیں کر سکتی۔"

"اچھا۔" جیکسن مسکرایا۔ "چلو، میں خود اُس سے بات کرتا ہوں کہاں ہے؟"

وہ ریستوران میں آیا۔ ویٹرس نے ایک عورت کی طرف اشارہ کیا۔ جیکسن اُس کی طرف بڑھا۔ وہ ایک خوب صورت عورت تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے زمانے کی گردشوں سے اُس کی دل کشی مدھم پڑ گئی ہے۔ جیکسن کو اپنی مفلوک الحالی یاد آگئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر عورت کے پاس رقم نہیں ہے تو وہ اسے معاف کر دے گا۔ عورت اُسے دیکھ کے کھڑی ہو گئی "مجھے افسوس ہے جناب کہ مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی دراصل .... دراصل بھوک نے مجھے بے قابو کر دیا تھا۔ میں آج ہی اس شہر میں آئی ہوں۔ ویسے کئی سال پہلے میں یہیں رہتی تھی۔ میرا پرس کہیں کھو گیا ہے اور میں ...."

"کوئی بات نہیں خاتون!" جیکسن نے ہمدردی سے کہا "آپ سے بل کا تقاضا نہیں کیا جائے گا۔"

"میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ بل ضرور ادا کروں گی اور ...."

جیکسن چونک کے اُس کی آنکھوں میں کھو گیا۔ اُس کی مسکراہٹ بے حد دل فریب تھی۔ جیکسن کے جسم میں ہلکی سی لرزش ہونے لگی کیونکہ وہ مس تھامپسن تھی۔ اُس کی محبوب، اُس کا مثالیہ۔ مس تھامپسن نے اُسے نہیں پہچانا۔ کہنے لگی "دراصل میں کچھ وضاحت کرنا چاہتی ہوں۔ کیا یہاں کوئی اور جگہ نہیں ہے؟ لوگوں کے سامنے میں کچھ کہنا نہیں چاہتی۔"

جیکسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ مس تھامپسن کو اپنے کمرے میں لے گیا اور اُسے صوفے پر بٹھا کے باہر آگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ اتفاقی ملاقات لافانی بنا دینی چاہیے۔ اُس نے سب سے اچھی شراب کی بوتل ٹرے میں رکھی اور سوچنے لگا کہ مس تھامپسن اُس سے تنہائی میں کیا کہنا چاہتی ہے؟ وہ ٹرے اُٹھائے ہوئے کمرے میں گیا۔ مس تھامپسن صوفے پر لیٹ گئی تھی۔ جیکسن کو دیکھ کے وہ زیرِ لب مسکرائی "میں آپ کو کھانے کی قیمت ادا کرنا چاہتی ہوں۔"

جیکسن کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ گئی۔

ہربرٹ ہیرس ☆ اظہر کلیم

مغرب سے درآمدہ، تازہ بہ تازہ، مختصر مختصر

نوجوان لڑکیوں کے والدین کے لیے ایک رہبر تحریر

اُس کے مالی حالات بہت اچھے تھے کیونکہ وہ ایک بہت بڑی فیکٹری کا مینیجنگ ڈائریکٹر تھا۔

ایک روز وہ فیکٹری سے نکلا تو اُس کا موڈ بہت خراب تھا۔ چوکیدار اُسے دُور سے دیکھ کے مستعد ہوگیا۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچا تو چوکیدار نے تعظیماً سر جھکا لیا۔ اُس نے اچانک چوکیدار سے عجیب لہجے میں سوال کیا "کیا تمھاری کوئی بیٹی ہے؟"

چوکیدار حیرت سے اپنے مینیجنگ ڈائریکٹر کی صورت دیکھنے لگا۔ وہ جب سے فیکٹری میں ملازم ہوا تھا، مینیجنگ ڈائریکٹر نے اُس سے اس طرح کبھی بات نہیں کی تھی۔ مینیجنگ ڈائریکٹر اُس سے صرف کام کی بات کرتا تھا، وہ بھی صرف کبھی کبھی۔ مینیجنگ ڈائریکٹر کا نام مائن تھا۔ اُس نے اپنا سوال دُہرایا

"کیا تمھاری کوئی بیٹی ہے؟"

چوکیدار نے ادب سے انکار میں گردن ہلائی۔ مائن نے اُسے رشک کی نگاہ سے دیکھا۔ "تم ایک خوش نصیب آدمی ہو۔"

"میں ایک چوکیدار ہوں جناب!"

"چوکیدار ہونا کوئی بدنصیبی نہیں ہے مگر ایک بیٹی کا باپ ہونا بہت بڑی بدنصیبی ہے۔" مائن نے کہا۔ "لیکن تمھیں یہ باتیں کیا معلوم ــــــ ہاں، اگر تم کسی بیٹی کے باپ ہوتے تو میری بات سمجھ سکتے تھے۔"

چوکیدار سر ہلا کے رہ گیا۔ مائن بڑھ کے اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ وہ انتہائی بے چین اور متفکر نظر آرہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دل ہی دل میں کسی بات پر کھول رہا ہو۔

اُس نے کار میں بیٹھ کے اُسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر کار بھی اُسے اپنی بیٹی کی طرح ضدی اور تکلیف دہ معلوم ہوتی۔ اُس کی بیٹی کا نام ایلیس تھا۔ وہ بڑبڑایا۔ "ایلیس! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمھیں سیدھے راستے پر لانے کے لیے کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے بھی دریغ نہ کرتا۔"

اُس کا ہاتھ اگنیشن میں چابی گھمانے کے لیے بار بار حرکت کر رہا تھا۔ آخر کچھ کوشش کے بعد کار ایک جھٹکے سے اسٹارٹ ہوگئی۔ یہ کوفت برداشت کرنے سے مائن کا موڈ اور خراب ہوگیا۔ وہ سوچنے لگا کہ آج کا دن میرے لیے کوئی مبارک دن نہیں ہے۔ ہواؤں میں بے پناہ رطوبت تھی اور رطوبت اُسے قطعاً پسند نہیں تھی۔ یہ بھیگا بھیگا موسم اُسے ہمیشہ کوفت میں مبتلا کر دیتا تھا۔ کار کا نقص اور رطوبت پھر ان دونوں باتوں سے بڑھ کے ایلیس کی عاقبت نا اندیشی اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ "بے وقوف لڑکی" اُس نے زیرِ لب کہا۔ "اتنا بھی نہیں جانتی

کہ اس ترقی یافتہ صنعتی دور میں ایک معمولی مصوّر کی کیا اوقات ہے"۔

ایلس کو ایک مصوّر سے محبت ہوگئی تھی۔ بڑھے ہوئے شیو اور اُلجھے ہوئے بالوں والے اس مصوّر سے محض کبھی کبھی ملنا بھی مائن کی برداشت سے باہر تھا۔ اس صورت میں وہ اُسے اپنے داماد کی حیثیت سے کس طرح قبول کرسکتا تھا۔ اُس نے سوچا ممکن ہے وہ مصوّر دوسروں کے لیے کوئی پسندیدہ شخص ہو اور اپنے فن کی وجہ سے تھوڑا بہت مقبول بھی ہو لیکن محض مقبولیت سے کہیں پیٹ بھرتا ہے؟ صرف پسندیدگی سے کہیں زندگی کے اخراجات چلتے ہیں؟ مائن حیران تھا کہ آخر ایلس نے اُس مصوّر میں کیا دیکھ لیا ہے۔ اگر اُسے مصوّری کے فن سے دلچسپی ہے تو اُس کے لیے کسی بہترین استاد کا بندوبست بھی تو کیا جاسکتا ہے اور اگر اُسے تصویروں سے عشق ہے تو دنیا کا وہ کون سا شاہکار ہے جو اُس کے لیے خریدا نہ جاسکے۔ آخر اُس کا باپ کوئی قلاش آدمی تو نہیں ہے۔

مائن جلتا اور کڑھتا ہوا ایک بڑی سڑک پہ آگیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کار کی رفتار تیز کردے مگر اس نے رفتار تیز کرنے کی کوشش کی تو انجن چھر چھر اکے ایک دم خاموش ہوگیا اور کار رک گئی۔ مائن نے بے بسی سے دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر مارے۔ اُس کا دل چاہا کہ اپنے بال نوچ لے۔ آج کا دن اُس کی زندگی کا ناکام ترین دن تھا۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی اور کار فیکٹری سے خاصی دُور پہنچ گئی تھی۔ اب وہ کسی راہگیر سے دھکّا لگانے کی درخواست کرنے کے سوا کیا کرسکتا تھا۔ اُس کا ذہن جھن جھنانے لگا۔

وہ کار سے اترا۔ پہلے اُس نے ارادہ کیا کہ کسی سے دھکّا لگانے کی درخواست کرے لیکن پھر وہ بڑبڑاتا ہوا آستینیں چڑھا کے بونٹ اٹھانے لگا۔ اُس نے انجن کا غور سے جائزہ لیا۔ اُس کا خیال تھا کہ کوئی تار وغیرہ نکل گیا ہوگا مگر کوئی تار نکلا ہوا نظر نہیں آیا۔ پھر کیا نقص ہے؟ اُس نے وہ نقص تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ اُس کی جھنجلاہٹ اور بڑھ گئی۔ پھر اچانک اُس نے ایک نامانوس آواز سنی "کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں جناب؟"

مائن چونک کے سیدھا ہوگیا۔ اُس نے آواز کی سمت دیکھا۔ اجنبی کے لہجے سے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کوئی پڑھا لکھا اور شائستہ آدمی ہے۔ مائن کے قریب ایک خوب صورت نوجوان کھڑا تھا۔ اُس کے جسم پر بہترین لباس تھا۔ بہترین لباس نے اُس کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کر دیا تھا۔ اُسے دیکھ کے مائن کی جھلاہٹ قدرے کم ہوگئی۔ وہ خود کو کچھ کچھ تر و تازہ محسوس کرنے لگا۔ "میں مدد کی پیشکش پر تمہارا ممنون ہوں نوجوان!" مائن نے مسکرا کے کہا۔ "کیا تم کار کے انجن کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

"جی ہاں جناب! آپ ذرا ایک طرف ہٹ جائیے میں دیکھتا ہوں۔" نوجوان بہت اعتماد سے انجن پہ جُھک گیا۔

وہ دیر تک انجن کا جائزہ لیتا رہا۔ اس دوران میں اُس کے ہاتھ مسلسل کام کرتے رہے۔ اُس کے انداز سے مہارت جھلک رہی تھی۔ مائن تعریفی نگاہ سے اُسے دیکھتا رہا۔ جلد ہی کار ٹھیک ہوگئی۔ نوجوان نے کار اسٹارٹ کی اور مائن کی طرف دیکھا۔ مائن نے اثبات میں سر ہلا کے اُسے داد دی۔ اُس کے شاداب چہرے سے مائن کو غیر معمولی ذہانت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ نوجوان کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔ مائن نے اُس کا کندھا تھپ تھپا کے کہا۔ "بہت خوب! تم ایک ماہر آدمی ہو۔ تمہیں کہاں جانا ہے؟ کیا میں تمہیں پہنچانے کی پیشکش کرسکتا ہوں؟"

"ضرور، جناب ضرور، مجھے اسٹیشن کی طرف جانا ہے"۔

"آؤ گاڑی میں بیٹھو، میں تمہیں اسٹیشن اُتارتا ہُوا آگے بڑھ جاؤں گا۔" مائن نے کہا۔ "آج گرمی نے بُرا حال کر رکھا ہے۔ کپڑے جسم سے چپک رہے ہیں"۔

"جی ہاں"۔ نوجوان نے جیب سے ایک خوشبودار رومال نکال کے چہرے سے پسینہ پونچھا۔

مائن نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ "مجھے یہ مرطوب موسم بالکل پسند نہیں ہے"۔ مائن نے کہا۔ "کیا تم اسے برداشت کرسکتے ہو؟"

"کہہ نہیں سکتا جناب"۔ نوجوان نے ادب سے جواب دیا۔ "میری فرم نے مجھے دو سال کے لیے ملایا بھیجا تھا۔ وہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے۔ ملایا میں مجھے بڑی حد تک اس موسم کی عادت ہوگئی تھی"۔

مائن نے گردن موڑ کے نوجوان کی طرف دیکھا اور پسندیدگی سے سوچا، کہ اس کی فرم سے ایسے ہی نوجوان وابستہ ہونے چاہئیں۔ ایلس آخر ایسے باعمل اور کاروباری نوجوانوں کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتی؟ نکمّے مصوّروں اور ایسے نوجوانوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اس نے نوجوان سے دریافت کیا۔ "تم اپنی فرم میں کس شعبے سے متعلق ہو؟"

"میں ایک سیلز ایجنٹ ہوں جناب!" نوجوان نے کہا۔ "دو ہفتے بعد میری ترقّی ہو جائے گی۔ مجھے سیلز منیجر بنایا جا رہا ہے۔ میری کارکردگی سے میرے افسر بہت مطمئن اور خوش ہیں"۔

مائن نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے نوجوان اور ایلس کے محبوب مصوّر کا موازنہ کیا۔ مصوّر اُسے اِس نوجوان کے مقابلے میں بہت کم تر نظر آیا۔ اُس کے ذہن پر ایک بار پھر تلخی کا حملہ ہوا۔ وہ ایلس کو کوسنے لگا۔ شہر میں ایسے بے شمار خوب رُو سیلز ایجنٹ گھومتے رہتے ہیں۔ آخر وہ ان میں سے کسی کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوئی؟ ایسے نوجوانوں کی تلاش میں کہیں جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ لوگ خود مختلف مصنوعات لے کے گھر گھر پہنچتے ہیں۔ نوجوان کی آواز سُن کے وہ اپنے خیالات سے چونکا۔ نوجوان کہہ رہا تھا۔ "جناب! آپ شاید کچھ سوچ رہے ہیں۔ کیا آپ کسی سلسلے میں فکرمند ہیں؟"

"ہاں نوجوان! میں بے حد فکرمند ہوں۔ ایک گھریلو اُلجھن ہے"۔

سب رنگ

اُس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اپنا نام بتایا۔ پھر خود کلامی کے انداز میں کہا "میری ایک بیٹی ہے اس کا نام ایلس ہے۔" اُس نے کنکھیوں سے نوجوان کی طرف دیکھا۔

"جی جناب!" نوجوان اشتیاق اور تجسس سے بولا۔

"وہ بڑی نادان لڑکی ہے" مائن نے کہا "وہ اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے لیکن اُس کی حرکتیں ابھی تک طفلانہ ہیں۔"

"آج کل کی لڑکیاں عموماً اپنی اصل عمر کے مقابلے میں ذہنی طور پر کم عمر رہتی ہیں۔" نوجوان نے رائے زنی کی۔

"نہیں، وہ عام لڑکیوں سے کہیں زیادہ ذہین ہے۔ ہر معاملے میں سوجھ بوجھ سے کام لیتی ہے لیکن نہ جانے کیا مصیبت ہے، شریکِ حیات کے انتخاب میں اُس نے اپنی ذہانت استعمال نہیں کی۔ اُس نے شادی کے لیے ایک مصوّر کا انتخاب کیا ہے مصوّر کا نام پال ہے، ممکن ہے، تم اُس سے واقف ہو؟"

"جی نہیں جناب! میں اس نام کے کسی مصوّر سے واقف نہیں ہوں۔"

"ایلس کا خیال ہے کہ وہ ایک اچھا شوہر ثابت ہوگا مگر میں اس خیال سے متفق نہیں ہوں۔" نوجوان کچھ نہیں بولا۔ مائن کہتا رہا "میں بہت پریشان ہوں لیکن میں اس پریشانی کو طول نہیں کھینچنے دوں گا۔ آج میں ایلس سے صاف صاف کہہ دوں گا کہ پال مجھے قطعاً پسند نہیں ہے اور وہ اُس سے شادی نہیں کر سکتی۔ مجھے حیرت ہے کہ جو شخص اپنی حالت سنوارنے کے نہ رکھتا ہو وہ اچھی تصویریں کس طرح بناتا ہوگا۔ ایسے مصوّر کا بھلا کیا مستقبل ہو سکتا ہے؟"

"فن کار لوگ عموماً اچھے شوہر ثابت نہیں ہوتے جناب!" نوجوان نے کہا "تخیل پرستی اور حقائق کا سامنا کرنے میں بہت فرق ہے۔ فن کار لوگ حقیقی زندگی کی جدوجہد میں آگے نہیں بڑھتے۔"

"مجھے تم سے اتفاق ہے نوجوان! میں ایلس پر زور دوں گا کہ وہ اُس لڑکے کو اپنے ذہن سے نکال دے۔ اگر اس سلسلے میں مجھے سختی سے کام لینا پڑا تو میں ایلس کے مستقبل کی خاطر سختی بھی کروں گا۔ اُسے کوئی ایسا نوجوان چُننا چاہیے جو کاروباری اور عملی آدمی ہو اور جس کا مستقبل روشن ہو۔"

چند منٹ خاموشی سے گزرے۔ پھر کار اسٹیشن کے قریب پہنچ گئی۔ نوجوان نے مائن سے کہا "مجھے یہیں اُتار دیجیے، میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"شکر گزاری کی ضرورت نہیں ہے۔" مائن نے کہا "میں تم جیسے ذہین نوجوانوں کو راحت کا باعث سمجھتا ہوں۔ لو یہ میرا کارڈ رکھ لو۔ مجھے اُمید ہے کہ تم سے دوبارہ ملاقات ہوگی۔ میں تمھیں ایلس سے بھی ملواؤں گا۔ اُس سے مل کر تم مسرت محسوس کرو گے۔ وہ ایک ذہین اور حسین لڑکی ہے لیکن لڑکی کا باپ ہونا ایک بہت بڑی مصیبت ہوتا ہے۔" اُس نے شفقت کی نگاہ سے نوجوان کی طرف دیکھا "میں نے اب تک تمھارا نام دریافت نہیں کیا ہے؟"

"مجھے ہارڈی کہتے ہیں جناب!" نوجوان نے کہا "ایک بار پھر شکریہ۔" وہ مائن کا کارڈ جیب میں رکھ کے کار سے اُتر گیا۔

مائن نے کار آگے بڑھا دی۔ اب وہ گھر جا رہا تھا مگر اُس کی کار چل نہیں رہی تھی بلکہ رینگ رہی تھی۔ اُسے رہ رہ کے ایلس کا خیال آ رہا تھا۔ اُس نے جھنجلا کے فیصلہ کیا کہ وہ رات کے کھانے پر ایلس سے کھل کے بات کرے گا اور اس پریشانی کا آج ہی سدباب کرے گا۔

رات کے کھانے کے دوران میں وہ غیر معمولی طور پر خاموش تھا اور بہت رُک رُک کے لقمے اٹھا رہا تھا۔ اُس کی پیشانی اور آنکھوں سے گہری سوچ کا پتہ چل رہا تھا۔ اُس کے جبڑے بار بار بھینچ جاتے تھے اور لقمے پر انگلیوں کی گرفت بڑھ جاتی تھی۔ وہ ایلس سے نظریں ملاتے ہوئے کترا رہا تھا۔ ایلس اُس کی اس حالت سے خوف زدہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اُس کا باپ کس کرب میں مبتلا ہے۔ کھانے کے بعد کافی کا دَور شروع ہوا۔ مائن نے چسکیاں لیتے ہوئے لب کشائی کی "ایلس! میں شام سے تمھارے دوست پال کے متعلق سوچ رہا ہوں۔" ایلس آنکھیں جھکائے بیٹھی رہی۔ مائن نے کہا "اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اُس کے متعلق غلط رائے قائم کر کے تمھارے اور اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم آیندہ اُسے یہاں نہ لانا۔ غالباً میرا یہ کہنا تم پر سراسر ظلم تھا۔" ایلس اپنے باپ کی زبان سے یہ غیر متوقع باتیں سن کے دنگ رہ گئی۔ مائن کہتا رہا "مجھے احساس ہے کہ میں فن کاروں کے متعلق فرسودہ خیال کا آدمی ہوں لیکن اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ وہ بھی دوسرے معززین کی طرح عزت اور احترام کے لائق ہوتے ہیں۔"

"لیکن ڈیڈی!" ایلس مسرت سے ہانپنے لگی۔ وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکی۔

"اب میں تمھارے راستے کی دیوار نہیں بنوں گا۔" مائن محبت سے اپنی بیٹی کو دیکھنے لگا۔ ایلس کچھ ہچکچائی۔ پھر اُس نے بڑھ کے اپنے باپ کی گردن میں بازو حمائل کر دیے اور اُس کے گال کا بوسہ لے لیا۔

مائن نے پیار سے اُس کا رخسار تھپتھپایا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ دیر چہل قدمی کرنا چاہتا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ چہل قدمی کا عادی نہیں تھا لیکن آج اُسے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ وہ ٹہلتا ہوا تھانے تک جائے گا۔ وہ تھانے میں یہ رپورٹ درج کرانا چاہتا تھا کہ آج ایک خوب رُو نوجوان نے اُس کی مدد کر کے اور لمبی باتوں میں لگا کے اپنی شخصیت سے متاثر کیا اور اُس کی جیب سے بٹوا اُڑا لیا جس میں چار ہزار ڈالر سے زیادہ رقم موجود تھی۔

خاص کہانی کے ان صفحات کی تمام روایتوں کے ساتھ
خوش ذوق قارئین کے لیے
اِس ماہ کی خاص کہانی

آیک خوبصورت اور مکمل تحریر

مانک ملر ★ اظہر کلیم

اُس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ تمام تک نِک کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ رقصاں تھی، اب اُس میں پھیکا پن پیدا ہو گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے دبا دبا خوف ظاہر ہو رہا تھا اور چہرے پر آہستہ آہستہ سختی پیدا ہو رہی تھی۔ اُس نے پیغامات کا وہ سلسلہ دوبارہ پڑھا جو اُسے ائرلائن کی ٹیلی ٹائپ مشین کے ذریعے موصول ہوا تھا۔

اُس کی بیوی لِنڈا نے یہ محسوس کر لیا کہ نِک خوش دلی سے سیٹی بجاتے بجاتے یکایک خاموش ہو گیا ہے۔ لِنڈا آہستگی سے چلتی ہوئی اُس کے پیچھے پہنچی۔ وہ شوہر کے کندھے پر جھک کے پیغامات غور سے پڑھنے لگی۔ پیغامات پڑھ کے اُس کی پیشانی پر بھی تفکر کی سلوٹیں نمودار ہوئیں۔ وہ گزشتہ نو مہینوں سے اپنی کوکھ میں ایک بوجھ اُٹھائے ہوئے تھی۔ اس بوجھ کی وجہ سے تو اُس کے چہرے پر تفکر کی سلوٹیں کبھی نمودار نہیں ہوئی تھیں مگر اس

وقت وہ بھی اپنے شوہر کی طرح پریشان نظر آنے لگی۔ "نک۔۔۔" اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ کیا۔۔۔ کیا ہم کچھ نہیں کر سکتے؟"

"معلوم نہیں۔" نک نے مایوسی سے سر ہلایا۔ اُس نے کوٹ اُتارا اور پیغامات گھورتا ہوا ٹیلی ٹائپ مشین کے سامنے بیٹھ گیا۔ "لیکن کم سے کم، ہمیں یہاں اپنی موجودی سے انھیں مطلع ضرور کر دینا چاہیے۔"

دونوں میاں بیوی آبادی سے پندرہ میل دُور ایک ویران ہوائی اڈّے کی عمارت میں بیٹھے تھے۔ یہ ہوائی اڈّا ابھی زیرِ تعمیر تھا۔ رَن وے تیار ہو چکا تھا اور ہلکے پھلکے طیاروں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ نِک اس ہوائی اڈّے کی تعمیرات کا نگراں تھا۔ اڈّے کی تکمیل کے بعد وہ فضائی کمپنی کی جانب سے مینیجر بننے والا تھا۔ اُس نے اِس اڈّے کی تعمیر کے لیے نہایت جاں فشانی سے کام کیا تھا۔ کمپنی اس بات کی معترف تھی۔ یہ ہوائی مستقر آبادی سے دُور پہاڑوں کے درمیان طیاروں کی سہولت کے پیشِ نظر بنایا گیا تھا تاکہ اگر موسم خراب ہو اور وہ کسی دوسری جگہ نہ جا سکیں تو یہاں اُتر جائیں۔ حکومت اِس علاقے میں کئی ترقیاتی منصوبے شروع کرنا چاہتی تھی اِس لیے ہوائی مستقر کی ضرورت خاص طور سے محسوس کی گئی تھی۔ ابھی زیرِ تعمیر ہوائی مستقر کے انتظامات بہت ناکافی تھے۔ برف باری کے موسم کی وجہ سے ہر کارکن سرِ شام ہی واپس چلا جاتا تھا اس لیے نِک اور اُس کی بیوی وہاں بالکل تنہا تھے۔ بے حد نازک معاملہ تھا گو سردی شباب پر تھی اور برف باری کے بعد کی یخ بستہ ہوا انھیں ٹھٹھرائے دے رہی تھی، پھر بھی اُن دونوں کے چہرے پریشانی اور خوف کے باعث پسینے سے بھیگ رہے تھے۔

"بُل شوائلز کے ہوائی مستقر سے نک مخاطب ہے۔" اُس نے ٹائپ کیا۔ "میں ایک منٹ پہلے یہاں پہنچا ہوں۔ کیا میری یہ تحریر صاف اور پڑھی جانے کے قابل ہے؟ میں اب تک موصول ہونے والے وہ پیغامات پڑھ چکا ہوں جو اینٹی اور جارج کے ہوائی اڈّوں سے ٹائپ کیے گئے ہیں۔"

دوسری جانب سے فوراً جواب ملا۔ "تمھاری ٹائپ کی ہوئی تحریر بالکل صاف موصول ہو رہی ہے۔ وہاں کا موسم کیسا ہے؟ کیا تم ہماری کچھ مدد کر سکتے ہو؟"

"موسم فی الحال تو ٹھیک ہے۔" اُس نے جواباً ٹائپ کیا۔ "لیکن بہت تیزی سے بدل رہا ہے۔ خدشہ ہے کہ کچھ دیر بعد فضا خراب ہو جائے گی۔ ہوا زیادہ تیز نہیں ہے لیکن اس کیفیت پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ اِس وقت ہم فرنٹ سسٹم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"کیا تمھاری ٹیلی ٹائپ مشین ٹھیک کام کر رہی ہے؟" دوسری طرف سے دریافت کیا گیا۔ "کیا تم مکمل صورتِ حال سے آگاہ ہو؟"

"ہاں میں آخری معائنے کے لیے ائرپورٹ آیا ہوں اور مجھے تمام پیغامات مل گئے ہیں۔ میں صورتِ حال سے پوری طرح واقف ہوں۔" نِک نے [illegible] ٹائپ کیا۔

صورتِ حال بہت خراب تھی۔ موسم دن بھر خراب رہا تھا۔ اندرُونی پروازوں میں سے چھ پروازیں منسوخ کی جا چکی تھیں۔ لیکن پرواز ۲۷ معمول کے مطابق روانہ ہو چکی تھی۔ پرواز ۲۷ کی پرواز کہیں رُکے بغیر اسٹیبل کے ہوائی اڈّے تک جاری رہتی تھی جس وقت جہاز روانہ ہوا تھا اُس وقت موسم خراب نہیں تھا مگر پھر موسم میں اچانک تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ بارش اور برف باری تیز ہو گئی تھی۔ طوفانی موسم کی وجہ سے اسٹیبل کے ہوائی اڈّے پر کوئی جہاز اُترنا ممکن نہیں تھا۔ پرواز ۲۷ کا پائلٹ موسم کی اس تبدیلی سے لاعلم تھا۔ غالباً اُسے اُمید تھی کہ موسم ویسا ہی خوش گوار ہو گا جیسا اُس کی روانگی کے وقت تھا۔ جہاز اس وقت شمال کے ہوائی مستقر کی طرف بڑھ رہا تھا اور نصف گھنٹے بعد اینٹی ائرلینڈ پہنچنے والا تھا مگر وہاں اب اُس کا اُترنا ممکن نہیں تھا۔ اُس بدنصیب جہاز کے پاس نعم البدل کے طور پر کوئی دوسرا ائرپورٹ بھی نہیں تھا۔

"ٹیلی ٹائپ مشین کے قریب ہی رہو۔" نِک کو اسٹیبل کے ہوائی اڈّے سے پیغام موصول ہوا۔ "ہم جلد ہی تمھیں ہدایات دیں گے۔ انتظار کرو۔"

نِک کرسی کی پشت سے ٹِک گیا۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور کئی منٹ بعد پہلی بار اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ "کچھ پتہ بھی ہے؟" اُس نے فکرمندی سے کہا۔ "ہم یہاں پھنس کے رہ گئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس مصیبت میں تم بے وجہ میرے ساتھ گھسٹ رہی ہو۔ بچّے کی پیدائش کے آخری دن ہیں۔ ان دنوں میں تمھیں آرام کی شدید ضرورت ہے۔ مجھے اپنی بے پروائی پر افسوس ہو رہا ہے۔ میں یہ آخری معائنہ تنہا بھی کر سکتا تھا اور اِسے نظر انداز بھی کیا جا سکتا تھا لیکن چند ضروری کاغذات یہاں رہ گئے تھے اس لیے آنا بہت ضروری تھا۔"

لِنڈا خوش دلی سے مُسکرانے لگی۔ اُس کے چہرے سے سختی اور پریشانی سے تفکّر کی علامات بڑی حد تک ختم ہو گئی تھیں۔ "نِک ڈارلنگ! احمقانہ باتیں نہ کرو۔" اُس نے محبّت سے کہا۔ "یہ بات ذہن میں رکھو کہ یہاں آنے کے لیے خود میں نے اصرار کیا تھا۔" وہ دروازے کی طرف گھوم گئی۔ "کیا مسافروں کے سروس کاؤنٹر پر کافی بنانے کا سامان موجود ہے؟"

"ہاں۔" نِک نے کہا۔ وہ کرسی پر مزید پیچھے جُھک گیا۔ اُس کی نگاہ لِنڈا پر جمی ہوئی تھی۔ لِنڈا مواصلات کے کمرے سے سروس کاؤنٹر کی طرف جانے لگی تاکہ اس ٹھٹھرے ہوئے موسم میں اپنے شوہر کے لیے کافی کا بندوبست کر سکے۔ نِک ٹوئنٹی سیون جہاز کے مسـ[illegible] سے پوری طرح مطمئن تھا۔

نِک کی زندگی خوش گوا[illegible] گزر رہی تھی۔ وہ ایک خوش قسمت آدمی تھا کیونکہ اُسے اپنی بیوی کی طرف سے بے پناہ محبّت حاصل تھی اور اُس کا مستقبل نہایت تابناک تھا۔ وہ اس فضائی کمپنی میں گزشتہ سات سال سے ملازم تھا۔ اس ملازمت میں اُس نے شدید محنت کی تھی اور اب اُس کی محنت رنگ لانے والی تھی۔ وہ عنقریب ایک بہت بڑے عملے کا

افسر بننے والا تھا۔

ہوائی مستقر مکمل ہوتے ہی شہر سے یہاں تک ایک سڑک بھی تعمیر ہونے والی تھی۔ یہاں کا رن وے ابھی نہیں کھولا گیا تھا البتہ تجرباتی طور پر چھوٹے طیاروں کی آمدورفت جاری تھی۔ ہوائی مستقر سے شہر تک نوّے منٹ کا ایک کچا راستہ تھا لیکن اُس میں جابجا گڑھے پڑ گئے تھے اس لیے نوّے منٹ کے بجائے عموماً دو ڈھائی گھنٹے کا تکلیف دہ سفر کرنا پڑتا تھا۔ یہ مشکل نئی سڑک بن جانے سے پہلے ختم نہیں ہوسکتی تھی۔ تقریباً ایک مہینے بعد نِک کا عملہ کام شروع کرنے والا تھا۔ نِک اُسی خوش گوار وقت کے بارے میں سوچنے لگا۔

اُس کی زندگی خوشیوں سے لبریز تھی۔ اُس کی بیوی لِنڈا نے اُس پہ محبت کے مہکتے ہوئے پھول نچھاور کر کے اُسے خود پر ناز کرنا سکھا دیا تھا اور اب آخر ہزار ارمانوں کے بعد لِنڈا کی گود بھی ہری ہونے والی تھی۔ لِنڈا ایک صحت مند عورت تھی۔ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق ایک ہفتے قبل اُن کے ہاں ایک جیتا جاگتا ہنستا کھیلتا کھلونا آنے والا تھا لیکن زچگی میں ایک ہفتے کی تاخیر ہو گئی تھی۔ یہ امر پریشانی کا باعث تھا لیکن لِنڈا اس معاملے میں ایک غیر معمولی عورت ثابت ہو رہی تھی۔ اُس نے زبردست ضبط و برداشت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ بعض حالات میں ایسا ہو جاتا ہے اور یہ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر کی یقین دہانی اور لِنڈا کی صحت دیکھتے ہوئے نِک مطمئن تھا کہ کوئی ناخوش گوار حادثہ پیش نہیں آئے گا اور اُس کی خوشیاں برقرار رہیں گی حالانکہ اس سے قبل تین بار اسقاط ہو چکا تھا۔ ہر اسقاط کے موقع پر لِنڈا کی صحت بہت گر گئی تھی لیکن اس بار وہ دونوں بچّے کی پیدائش کے سلسلے میں پُراعتماد اور مطمئن تھے۔

نِک نے کنکھیوں سے نیم وا دروازے کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔ اُس کی سماعت لِنڈا کی گنگناہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور کافی کی بُو سے سردی کا احساس ختم ہو رہا تھا۔ نِک کے دل میں بے اختیار یہ خیال پیدا ہوا کہ کاش لِنڈا نے اُس کے ساتھ آنے کی ضِد نہ کی ہوتی۔ لِنڈا نے اُس کے ساتھ آنے کی ضد کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ گھر میں تنہا بیٹھ کر اُس کا انتظار کرتے کرتے بیزار ہو جاتی ہے۔ نِک کو اس امر کا احساس تھا کہ تنہا عورت گھر کی چار دیواری میں واقعی گھٹن کا شکار ہو جاتی ہے۔ نِک کو صرف چند کاغذات لینے کے لیے یہاں آنا تھا۔ وہ لِنڈا کو یہ سوچ کر ساتھ لیتا آیا تھا کہ کچھ دیر باہر گھومنے سے اُس کی طبیعت بہل جائے گی۔ برف باری ختم ہو چکی تھی اور ہوا بھی سست تھی اس لیے وہ لِنڈا کی خواہش رَد نہیں کر سکا تھا۔ وہ زیرِ لب مسکرانے لگا۔ لِنڈا کی رفاقت میں ڈیڑھ گھنٹے کا اُکتا دینے والا سفر کتنی آسانی سے پلک جھپکتے میں طے ہو گیا تھا۔

ٹیلی ٹائپ مشین کام کرنے لگی۔ اسٹیل سے جیک کا پیغام آیا۔ "کیا تمھارے ہوائی میدان کی بتیاں ابھی تک روشن ہیں؟" جیک آپریشن والکس پریذیڈنٹ تھا۔

"ہاں۔" نِک نے جواباً ٹائپ کیا "لیکن پاور کا مسئلہ پریشان کر رہا ہے۔ شہر سے بجلی کی فراہمی اگلے ہفتے سے پہلے شروع نہیں ہوسکتی۔" اُس نے ہاتھ بڑھا کر دراز سے ایک فائل نکالی اور فائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے بلڈنگ کے ٹھیکے دار کی رپورٹ دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُس نے مشین کے ذریعے جیک کو بتایا۔ "اس وقت ہوائی اڈّے پر صرف ایک چھوٹا گیسولین جنریٹر کام کر رہا ہے۔ یہ جنریٹر دفتر میں روشنی کے لیے کافی ہے۔ باہر تجرباتی رن وے پر ڈیزل سے چلنے والا جنریٹر ہے۔ وہ آج سے دو دن قبل تجرباتی طور پر مسلسل تین بار رن وے پر رات کے وقت استعمال کیا گیا تھا۔ آیندہ تین ہفتے تک کوئی مشق نہیں ہونی تھی اس لیے ڈیزل منگوانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس وقت جتنا ایندھن ہے اُس سے جنریٹر صرف دس منٹ سے پندرہ منٹ تک کارآمد ثابت ہوگا۔ رن وے پر اندھیرا ہے۔ میں دہراتا ہوں۔ ڈیزل صرف دس منٹ سے پندرہ منٹ تک کام کرے گا اس کے بعد جنریٹر ناکارہ ہو جائے گا۔"

"ریڈیو کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟" ٹائپ کے ذریعے سوال کیا گیا۔ "کیا مواصلاتی سلسلہ قائم ہو چکا ہے؟"

"جی نہیں۔" نِک نے جواب دیا۔ "اس وقت صرف ایک ٹیلی ٹائپ مشین ہے۔ یہاں تو شہر سے رابطہ قائم کرنے کے لیے فون بھی نہیں ہے۔"

"تمھاری اطلاعات کی روشنی میں تمھیں کچھ ہدایات دی جاتی ہیں، غور سے پڑھتے رہو۔" ہدایات ٹائپ ہونے لگیں۔

★

ہدایات سادہ اور کافی تھیں۔ اُن کے مطابق نِک کو ہوائی مستقر پر ڈھائی گھنٹے مزید رکنا تھا۔ اِس مدت میں جہاز اپنی منزل پر پہنچ سکتا تھا۔ وہ وہاں اُترنے میں کامیاب ہو جاتا تو خیر ورنہ وہ بِگ شولڈرز کے اِن عارضی اور زیرِ تعمیر اڈّے کے سوا کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ جہاز میں جتنا ایندھن تھا اُس سے وہ بِگ شولڈرز ہی تک پرواز کر سکتا تھا۔ چونکہ نِک ریڈیو کے ذریعے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا اس لیے اُسے محض جہاز کی روشنی سے اُس کا پیغام سمجھ کر نیچے اُترنے میں مدد دینی تھی۔ جہاز جیسے ہی اڈّے کے اُوپر پہنچتا، نِک کو رن وے کی بتیاں روشن کرنی تھیں۔ یہ ایک پہاڑی ہوائی اڈّا تھا اس لیے جہاز پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر پہاڑوں کے اُوپر ہی پرواز کر سکتا تھا۔ پائلٹ کو دس سے پندرہ منٹ میں رن وے کی بتیاں دیکھ کر نیچے اُترنا تھا۔ یہ اگرچہ ایک مشکل منصوبہ تھا لیکن اس پر عمل کیا جا سکتا تھا اور اس پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ "کیا تم سب کچھ سمجھ گئے ہو؟" نِک سے دریافت کیا گیا۔

نِک نے جواباً ٹائپ کیا۔ "میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں لیکن اس وقت میری بیوی میرے ساتھ ہے۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ اُسے شہر کس طرح واپس بھیجوں۔ وہ حاملہ ہے، کار نہیں چلا سکتی۔ اس وقت پندرہ میل

کے فاصلے تک ہم دونوں کے سوا کوئی ذی رُوح نہیں ہے۔"

"ہاں یہ تو واقعی ایک مشکل مسئلہ ہے۔" نک نے جوابی تحریر پڑھی پھر معاً اُس کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ "کیا تم دونوں اس سردی میں وہاں ہنی مون منا رہے ہو؟"

"جی نہیں بلکہ ہنی مون کے نتائج کا انتظار کر رہے ہیں۔" اُس نے تلخی سے جواب ٹائپ کیا۔ "آپ کو یہ سُن کر شاید حیرت ہوگی کہ ہمارا بچہ پہلے ہی ایک ہفتے کی تاخیر کر چکا ہے۔ اِس وقت مجھے اپنے ایک کام سے یہاں آنا تھا۔ میری بیوی گھر میں تنہا رہنے پر آمادہ نہیں تھی اس لیے میں مجبوراً اُسے بھی ساتھ لے آیا تھا۔ یہاں رکنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا۔ البتہ اب صورتِ حال پریشان کن ہوگئی ہے۔ مجھے مجبوراً رکنا پڑے گا۔"

مشین ایک منٹ تک خاموش رہی۔ اِس کے بعد نک کی مانوس آواز کمرے میں گونجنے لگی۔ نک کاغذی ربن پہ جھکا ہوا پیغام پڑھ رہا تھا۔ "میرا خیال ہے تم جہاز کی آمد سے پہلے پہلے اپنی بیوی کو شہر واپس پہنچا سکتے ہو۔ اِس حالت میں اُسے وہاں رکھنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ شہر صرف پندرہ میل دُور ہے۔ جاؤ، اُسے پہنچا آؤ لیکن جہاز آنے سے پہلے واپس آجانا۔"

نک اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ کافی کی ٹرے اُٹھائے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اِس حالت میں کافی تیار کرنا واقعی محنت کا کام تھا لیکن ایسے کام صرف وہی بیویاں کر سکتی ہیں جنھیں اپنے شوہروں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔ نک جانتا تھا کہ لنڈا اُسے دل کی گہرائی سے چاہتی ہے اور اُس کے بغیر زندہ رہنے کا تصور تک نہیں کر سکتی۔ نک نے ایک دلکش مسکراہٹ سے اُس کا استقبال کیا۔ "ہنی! میرا خیال ہے میں تمھیں گھر واپس پہنچا آؤں۔ جہاز ڈھائی گھنٹے سے پہلے یہاں نہیں پہنچے گا۔ اگر راستے میں کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو میرا خیال ہے میں بروقت یہاں واپس آجاؤں گا۔ اگر ہم نے یہ موقع گنوا دیا تو پھر شاید ہمیں یہاں سے جلدی جانا نصیب نہ ہو۔ اور کیا معلوم اس عرصے میں۔۔۔" اُس نے اضطراب میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

لنڈا خاموش رہی۔ نک سے پہلی ملاقات کے وقت وہ ایک فضائی کمپنی میں فضائی میزبان کے فرائض انجام دیتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ جہاز میں مسافروں کی خاطر تواضع کس طرح کی جاتی ہے اور کسی مصیبت میں گھرے ہوئے جہاز کے مسافروں کی حالت کیا ہوتی ہے اور ان حالات میں ایک فضائی میزبان کو مسافروں کا خوف و ہراس روکنے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔

ہزاروں فٹ اُوپر کسی جگہ پچپن مسافر اور فضائی کمپنی کے پانچ ملازمین سخت جان لیوا خطرے سے دوچار تھے۔ دو فضائی میزبانیں بھی تھیں ممکن ہے اُن میں سے کوئی لنڈا کی شناسا بھی ہو۔ وہ مسافروں پر مسکراہٹوں کے پھول نچھاور کرتے ہوئے انھیں خوف و ہراس سے بچانے کی کوشش کر رہی ہوں گی۔ جہاز کا عملہ اور مسافر سخت خطرے سے دوچار تھے لہٰذا لنڈا نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور ہولے سے مسکرائی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ زچگی کی علامات میں سے ابھی تک ایک بھی علامت ظاہر نہیں ہوئی ہے لہٰذا رُک جانے میں بہ ظاہر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اُس نے نک سے کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ ہمیں واپسی کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ میرا خیال ہے ڈارلنگ کہ اگر ہم یہاں سے چلے تو تم صحیح وقت پر واپس نہیں آسکو گے۔ فرض کرو تم یہاں آنے میں کامیاب نہ ہوئے اور جہاز آپہنچا تو کیا ہوگا؟ سڑک خراب ہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ جانے کے لیے اور ڈیڑھ گھنٹہ واپسی کے لیے چاہیے۔ تم تین گھنٹے سے پہلے واپس نہیں آسکتے۔ پھر جہاز آدھے گھنٹے تک کیا کرے گا؟ ممکن ہے جہاز میں اتنا پٹرول نہ ہو یا ممکن ہے پائلٹ مایوس ہو کر کسی اور طرف نکل جائے۔ نہیں نک! ہم اپنی زندگی کے لیے یا محض ایک بچے کی پیدائش کی خاطر پوری باسٹھ انسانی جانیں قربان نہیں کر سکتے۔ ذرا سوچو ڈارلنگ کہ اُن لوگوں پہ کیا گزر رہی ہوگی۔" وہ مسکرانے لگی۔ اُس کی مسکراہٹ سے زندگی اور عزم کی جھلک نمایاں تھی۔ وہ بہت اعتماد سے مسکرا رہی تھی۔ "فکر نہ کرو۔ اگر بچے نے پیدا ہونے کے لیے بہت زیادہ ضد کی تو میں اسے سمجھا دوں گی کہ ابھی وہ کچھ دیر اور انتظار کرے۔ جو بچہ ایک ہفتے کی تاخیر کر سکتا ہے وہ چند گھنٹوں کے لیے جلد بازی نہیں کرے گا۔ مجھے یقین ہے ڈارلنگ!"

نک خاموشی سے اپنی جرأت مند بیوی کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر بعد اُس کی اُنگلی از خود مشین پر حرکت کرنے لگی۔ "بہتر ہوگا کہ ہم واپسی کی کوشش نہ کریں۔" اُس نے ٹیلی ٹائپ مشین پہ پیغام بھیجا۔ "اگر آس پاس کوئی گھر ہوتا تو میں اپنی بیوی کو وہاں چھوڑ آتا۔ انسانیت کے نام پر کوئی بھی ہماری مدد کر سکتا تھا لیکن مصیبت یہ ہے کہ ائرپورٹ کے بعد پہلا گھر پندرہ میل دُور وہاں ہے جہاں سے شہر کی حد شروع ہوتی ہے۔ پندرہ میل کا لمبا سفر اختیار کر کے ہم پورے باسٹھ مسافروں کی زندگیوں سے نہیں کھیل سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔" جلدی سے جواب ٹائپ کیا گیا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے وہی فیصلہ کیا جو ان حالات میں تمھیں کرنا چاہیے تھا۔ تم واقعی ایک فرض شناس آدمی ہو۔"

نک نے کاغذی ربن کی تحریر پہ نظریں گاڑ دیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اُس نے صحیح فیصلہ کیا ہے تو اُس کے دل پہ ایک بوجھ کیوں ہے؟ دل میں گرہیں پڑتی ہوئی کیوں محسوس ہو رہی ہیں؟

انتظار شروع ہوگیا۔ ابتدائی پانچ منٹ نک کو پانچ گھنٹے محسوس ہوئے۔ وقت اگر اسی رفتار سے گزرا تو میرا دم گھٹ جائے گا۔ اُس نے سوچا جب پندرہ منٹ گزر گئے تو اُس نے ایسا محسوس کیا جیسے پورا دن گزر گیا ہو۔ اِس دوران میں

اُن دونوں کے درمیان بہت کم بات چیت ہوئی۔ وہ زیادہ تر خاموش رہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ عجیب احساسات میں ڈوبے ہوئے کافی کی چسکیاں لیتے رہے۔ ٹیلی ٹائپ دوبارہ کام کرنے لگا: "نِک! کیا تم اس وقت بھی وہاں موجود ہو؟"

"ہاں اس وقت بھی یہیں ہوں"۔ نِک نے جواب دیا۔

"اس اثنا میں تم غالباً اپنی بیوی کے متعلق سوچتے رہے ہو؟ تمھارے پاس فون نہیں ہے لیکن میرے پاس ہے۔ میں کال کر کے تمھارے مسئلے سے کسی کو مطلع کر سکتا ہوں۔ کیا تمھارے ذہن میں کوئی ایسا آدمی ہے جو شہر سے تمھاری بیوی کو لینے پہنچ سکتا ہو؟ کسی پڑوسی یا کسی دوست یا کسی عزیز کا نمبر یاد ہو تو بتاؤ"۔

نِک نے مشین سے کاغذ کا ربن توڑا اور لِنڈا کی طرف بڑھا دیا۔ لِنڈا کی نگاہ ایک لمحے تک پیغام پہ جمی رہی پھر اُس نے نِک سے کہا کہ "یہ ایک تکلیف دہ کام ہے لیکن اس طرح ہمیں تحفظ ضرور حاصل ہو سکتا ہے۔ اپنا ہمسایہ اوبیرن ایک شریف اور مخلص آدمی ہے۔ وہ کال سن کر یقیناً ہماری مدد کے لیے یہاں پہنچ سکتا ہے"۔

لِنڈا کے ذہن میں دوسرے پڑوسیوں کا خیال بھی آیا لیکن اُن کے بارے میں اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ اس موسم میں گھر سے نکلنا پسند کریں گے۔ لِنڈا کی خواہش کے مطابق نِک نے ٹیلی ٹائپ پر یہ پیغام بھیجا کہ اُس کے پڑوسی اوبیرن کو صورتِ حال سے مطلع کر دیا جائے۔ پیغام دینے کے بعد وہ کرسی سے اٹھا اور چند لمحوں تک خاموش مشین گھورتا رہا پھر کھڑکی کی طرف بڑھا۔ باہر گہری تاریکی تھی اور توقع کے خلاف ہوا برائے نام چل رہی تھی۔ رن وے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ اُس کا وہم تو نہیں ہے؟ یا یہ حقیقت ہے؟ اُس نے کنکھیوں سے لِنڈا کی طرف دیکھا۔ وہ کسی دوسری طرف متوجہ تھی۔ دفعتہً نِک نے محسوس کیا کہ اُس کی بیوی نے درد کی ایک ساعت بس برداشت کرنے کے لیے آنکھیں جھپکائی ہیں۔ نِک نے ایک گہری سانس لی۔

⁂

اسٹیل کے ہوائی اڈّے پر جیک ٹیلی ٹائپ مشین کے سامنے سے اُٹھا۔ اُس نے ایک طویل انگڑائی لے کر تنے ہوئے اعصاب پُرسکون بنانے کی کوشش کی پھر اپنے عملے کے لوگوں سے چند باتیں کیں۔ وہ لوگ اُس کے گرد کھڑے تھے۔ سب کے چہروں پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اُس نے مشین سے کاغذی ربن کھینچا اور قینچی سے کاٹ کر نِک کا پیغام اُن کی طرف بڑھا دیا۔ چند لمحوں بعد کسی نے فون کا ریسیور اُٹھایا اور آپریٹر سے طویل فاصلے کی لائن مانگی۔ اُسی لمحے ٹیلی ٹائپ مشین کی ٹِک ٹِک دوبارہ شروع ہو گئی۔ جیک جلدی سے بیٹھ گیا۔ "پرواز ۲۷ کا جہاز اینٹی ہوائی مستقر کی حدود میں داخل ہو چکا ہے"۔ اینٹی آئی لینڈ سے پیغام آیا۔

"کیا اُس کے اُترنے کی کوئی صورت ہے؟" کسی دوسرے اسٹیشن نے مداخلت کی۔ غالباً یہ تشویش ناک سوال ایکرویج اسٹیشن سے کیا گیا تھا۔

"ہمیں تو کوئی صورت نظر نہیں آتی"۔ اینٹی ہوائی مستقر سے جواب دیا گیا۔

جیک کی نگاہ کاغذ کے فیتے پہ جمی ہوئی تھی۔ وہ ٹائپ ہونے والا ہر پیغام بہت غور سے پڑھ رہا تھا۔

"کُل شوائلز کے ہوائی مستقر سے نِک مخاطب ہے"۔ مشین نے ٹائپ کیا۔ "مسٹر اوبیرن کو فون کرنے کے بجائے یہ بہتر ہوگا کہ ایمبولنیس کے لیے اسپتال کال کرو۔ میری بیوی کچھ ہلچل محسوس کرنے لگی ہے"۔ جیک فوراً کمرے کے دوسرے حصّے کی طرف متوجہ ہو کر چیخا: "اسپتال فون کرو۔ جلدی کرو۔ کہیں نِک اپنی بیوی کی حالت دیکھ کر حواس باختہ نہ ہو جائے اور اُسے لے جانے کے لیے ہوائی اڈّا چھوڑنے کا ارادہ نہ کر لے۔ جلدی کرو بہت جلدی"۔ وہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اوہ اگر نِک اپنی بیوی کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا تو اُن باسٹھ انسانوں کا کیا ہو گا جو اب صرف اور صرف نِک کے رحم و کرم پر ہیں"۔ اچانک اُسے احساس ہوا کہ اُس نے یہ خیالات ظاہر کر کے اچھا نہیں کیا ہے کیونکہ نِک ہوائی مستقر کا ایک ذمے دار افسر ہے کسی کیاری ویاری کا منتظم نہیں ہے کہ اُس سے لاپروائی کی توقع کی جائے۔ ایک طرف لاکھوں ڈالر کا جہاز اور باسٹھ انسانی جانیں تھیں اور دوسری طرف ایک بچے کی پیدائش کا عمل تھا۔ جیک ایک طویل سانس لے کے رہ گیا۔ مشین تیزی سے چلنے لگی، ٹِک ٹِک ٹِک۔ جیک کو ٹائپ کی آوازیں ہتھوڑے کی چوٹیں محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ کاغذی فیتے پہ جھک گیا۔ اینٹی ہوائی مستقر سے یہ ہوش اُڑا دینے والی اطلاع دی گئی کہ جہاز کی پہلی کوشش ناکام ہو چکی ہے۔ برف باری اتنی شدید ہے کہ وہ یہاں اُتر ہی نہیں سکتا اور پائلٹ غالباً اس صورتِ حال سے مایوس ہو چکا ہے یہ بھی بتایا گیا: "اب جہاز کا رُخ کُل شوائلز کے عارضی مستقر کی طرف ہے کیونکہ پائلٹ نے ہم سے رابطہ قائم کیا تھا لیکن افسوس ہم اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکے۔ پائلٹ کا اندازہ ہے کہ جہاز دو گھنٹے بعد کُل شوائلز کے اڈّے پر پرواز کر رہا ہو گا۔ اسٹیل اسٹیشن! جلدی کچھ کرو۔ بہت جلدی"۔

جیک کی سانس پھول گئی۔ اب جہاز اور اُس کے مسافر یقیناً صرف نِک کے رحم و کرم پر تھے۔ جیک نے اُس آدمی کی طرف دیکھا جس نے فون پہ کُل شوائلز کے اسپتال سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اُس کے چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی جیک نے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔ وہ آدمی بہت مایوس دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے گہری فکرمندی ظاہر ہو رہی تھی۔ جیک نے اُس سے کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ اُس کا چہرہ ہی حقیقت کا آئینہ دار تھا۔ جیک مشین پر ٹائپ کرنے لگا۔ وہ نِک کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس خبر سے اُس کی کیا حالت ہو گی۔

"ایکرویج! اُس نے جلدی جلدی ٹائپ کیا۔ "اپنے اسٹیشن سے کُل شوائلز کے کسی اسپتال کو فون کرنے کی کوشش کرو۔ ہم نے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپریٹر کا کہنا ہے کہ طوفان شروع ہوتے ہی طویل فاصلے کے باعث

بل شوائٹزر سے رابطہ ٹوٹ گیا تھا، ٹیلی گرام کا سلسلہ بھی ممکن نہیں رہا۔"

جیک کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے جیب ٹٹول کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا پھر ایک سگریٹ ہونٹوں میں دبائی مگر دوسرے ہی لمحے اُسے فرش پر پھینک کے مسل دیا۔ لمحے گھنٹوں کی طرح طویل ہو گئے تھے۔ وقت اٹک گیا تھا، گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اُس کی نگاہ مشین پر جم گئی۔ ایبکروج سے پیغام آ رہا تھا۔ "اسٹیل! حالات ساتھ نہیں دے رہے ہیں، بل شوائٹزر سے رابطہ قائم کرنے میں ہمیں بھی کامیابی نہیں ہو سکی۔ افسوس" ٹائپسٹ نے تفصیلات بھی بتائیں کہ الاسکا کے بیشتر شہر طوفان کے باعث ایک دوسرے سے کٹ چکے ہیں۔ غالباً تین یا چار شہروں کے درمیان صرف ٹیلی ٹائپ مشین پر رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ اس بات پر جیک کے علاوہ ایبکروج کے آپریٹر کو بھی حیرت تھی کہ ائرلائن کی مشینیں کیسے کام کر رہی ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ رابطے کا یہ ذریعہ بھی کسی وقت دھوکا دے سکتا ہے۔

"بل شوائٹزر!" جیک نے نِک سے رابطہ قائم کرنے کے لیے ٹائپ کیا۔ "کیا تم اس وقت بھی ہوائی مستقر پر موجود ہو؟"

"آپ یہ سوال ایک بار پہلے بھی کر چکے ہیں۔" نِک کی طرف سے جواب ملا۔ "آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

جیک چاہتا تھا کہ نِک سے اُس کی بیوی کے متعلق گفتگو کرنے لگے کیونکہ اس طرح نِک کے خوف میں بڑی حد تک کمی ہو سکتی تھی۔ اُس نے سوال ٹائپ کیا۔ "تمہاری بیوی کی طبیعت کیسی ہے؟"

ہر دس منٹ بعد کچھ ہلچل محسوس کر رہی ہے۔" جواب آیا۔

"یہ کوئی پریشان کن حالت نہیں ہے۔" کسی دوسرے اسٹیشن کے آپریٹر نے مداخلت کی۔ "میری بیوی بچے کی پیدائش سے چھ گھنٹے پہلے ہی اس حالت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ بچہ پورے چھ گھنٹے بعد پیدا ہوا تھا۔"

نِک کی طرف سے اس دلاسے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔ جیک ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی مٹھیاں سختی سے بھنچی ہوئی تھیں اور فکر و تردد سے اُس کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا تھا۔ خوف نے اُس کا چہرہ بگاڑ دیا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور کوئی دوسری صورت سوچنے کی کوشش کرنے لگا مگر خاصی مغز پاشی کے باوجود کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ اُس کے ذہن میں بار بار بس ایک ہی تصویر اُبھر رہی تھی۔ ایک جہاز کی تصویر جو بادلوں کے اُوپر فضا میں پرواز کر رہا تھا۔ اس کے بعد اُس کے ذہن میں دوسری تصویر اُبھری۔ ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر جن کے پاس ہوائی اڈا چھوڑنے کی معقول ترین وجہ موجود تھی۔ وہ اس جواز سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے اور اُس بدنصیب جہاز کے پاس اُس ہوائی اڈے کے سوا پورے روئے زمین پر کوئی محفوظ مقام نہیں تھا۔ اُس نے سوچا، تباہی غالباً جہاز کا مقدر بن چکی ہے۔ وہ بڑبڑاتا ہوا موسم کو کوسنے لگا۔ وہ ان دونوں نازک معاملات پر غور کرتے کرتے تھک چکا تھا۔

ماحول یخ بستہ تھا پھر بھی نِک کا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔

عام حالات میں اس موقع پر اُسے اپنا خون رگوں میں منجمد محسوس ہوتا لیکن اس وقت وہ لنڈا کی تکلیف کے سوا ہر احساس سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اب صورتِ حال اُس کے لیے تشک آمیز نہیں رہی تھی۔ اُس کی بیوی نے جو کیفیت محسوس کی تھی وہ ایک تنبیہ، ایک دھمکی کے برابر تھی بلکہ محض تنبیہ محض دھمکی نہیں تھی عملی طور پر کچھ ہونے والا تھا یعنی اسقاط کا خطرہ تھا۔ نِک اس صورتِ حال سے پہلے بھی گزر چکا تھا۔ اسقاط کے ہر موقع پر اُسے لنڈا کی زندگی خطرے میں نظر آئی تھی۔ ہر بار اس کی صحت بری طرح گر جاتی تھی اور وہ بالکل موت کے دہانے پر پہنچ جاتی تھی۔ شب و روز کی تدبیروں اور دواؤں کے بعد اس مرتبہ اُن کی مراد بر آئی تھی مگر آج پھر لنڈا کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی اور نِک کو حالات نے فرض کے بندھن میں جکڑ کے بے بس کر رکھا تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ لنڈا اس بار کہیں واقعی اُس سے بہت دُور نہ ہو جائے۔ یہ خیال اُسے بار بار آ رہا تھا، وہ سر سے پاؤں تک کانپ کانپ جاتا تھا۔

اُس نے دھندلی دھندلی نظروں سے لنڈا کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ڈیسک پر بیٹھی ہوئی اُسی کی طرف متوجہ تھی اور اُسے اطمینان دلانے کے لیے اپنے درد پر قابو پاتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ نِک نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کے ایک سگریٹ سلگائی۔ اُسی وقت اُس کی نگاہ ایک دوسری سگریٹ پر پڑی۔ دوسری سگریٹ ایش ٹرے میں سلگ رہی تھی۔ وہ اُسے بھول ہی گیا تھا۔

"بہت سگریٹ پیے جا رہے ہیں۔" لنڈا نے لہجہ مزاحیہ بنانے کی کوشش کی پھر قدرے متانت سے کہا۔ "فکر نہ کرو ڈارلنگ! ہمارے بچے نے نو ماہ اور ایک ہفتے تک ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ اب اگر چند گھنٹوں کی مزید تاخیر ہو گئی تو وہ بالکل بُرا نہیں مانے گا۔" نِک نے منہ دوسری طرف کر لیا اور دیوار کی گھڑی دیکھی۔ لنڈا نے آخری درد نو منٹ پہلے محسوس کیا تھا۔ یکایک نِک کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ چونک کے مشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بل شوائٹزر کا سرکٹ نصف گھنٹے کے لیے ختم ہو رہا ہے۔" نِک نے پیغام ٹائپ کیا۔ "میں رن وے کا ہر غیر مطلب منقطع کرنے جا رہا ہوں ممکن ہے اس طرح جنریٹر کی بیٹری پاور کچھ وقت کے لیے بڑھ جائے۔ پھر جب میں رن وے کی بتیاں جہاز کے لیے روشن کروں گا تو پندرہ منٹ کے بجائے بیس منٹ تک روشنی ممکن ہو جائے گی۔"

لنڈا اُس کے پیچھے آ کے کھڑی ہو گئی۔ اُس نے پیغام پڑھ کے اطمینان سے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے ڈارلنگ! تمہیں یہ خیال بہت اچھا اور بروقت آیا۔ میں بھی اس کام میں تمہاری مدد کروں گی۔" اُس نے کہا۔ "جب تم ہر غیر مطلب منقطع کرو گے تو میں ٹارچ سے تمہیں روشنی دکھاتی رہوں گی۔" نِک نے احتجاج کیا مگر لنڈا نے کہا۔ "میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں

ڈارلنگ! انتظار نے مجھے نیم مردہ کر دیا ہے۔ اس حالت میں محض بیٹھے رہنا بھی تو تکلیف دہ ہے۔ جو کچھ ہونا ہے اُسے کوئی نہیں ٹال سکتا لہٰذا یہ خیال ذہن سے نکال دو اور صرف یہ پیشِ نظر رکھو کہ ہمیں باسٹھ آدمیوں کی جانیں بچانی ہیں۔" نِک نے اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں خاموشی سے کوٹ پہننے لگے۔

باہر اندھیرا تھا۔ سردی شدید تھی۔ سانس لینے سے حلق اور دل پر بھی خنکی کا اثر ہو رہا تھا۔ نِک ہر تیسرے بلب کے پاس جا جا کر اُس کا سلسلہ ختم کرنے لگا۔ لِنڈا اُسے مسلسل روشنی دکھا رہی تھی۔ اس دوران میں انھوں نے ایک دوسرے سے مخاطب ہونے کی کوشش نہیں کی، خاموشی سے کام کرتے رہے۔ نِک ابھی آخری بلب سے پہلے والے بلب کے قریب پہنچا تھا کہ اپنے عقب میں اُسے ہلکی سی کراہ سنائی دی۔ بلب اُس کے ہاتھ سے فرش پر گر کے چکنا چور ہو گیا۔

لِنڈا رن وے پر گر گئی تھی۔ اُس کی ٹانگیں دُہری ہو کر بدن کے نیچے دب گئی تھیں۔ وہ انسانی اعضا کا ایک ڈھیر معلوم ہونے لگی۔ روشن ٹارچ اُس سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔ نِک دیوانگی سے چیخ پڑا اور لپک کے اُس کے قریب پہنچا۔ وہ گھٹنوں کے بل لِنڈا کے قریب گر سا گیا۔ لِنڈا کا چہرہ پسینے میں شرابور تھا، اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اٹک اٹک کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اِس کے باوجود اُس نے دقت سے کہا: "نِک! نہیں ڈارلنگ! ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔ ہمیں باسٹھ انسان بچانے ہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے نِک! وعدہ کرو . . . . ."

نِک نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُسے اُٹھا لیا۔ اُس کے ہاتھوں پہ دو جانوں کا بوجھ تھا۔ ایک جان جنم لینے والی تھی، دوسری زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھی۔ حالات نے اُسے عجیب امتحان میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ لِنڈا کو اُٹھائے ہوئے آہستہ آہستہ ہوائی مستقر کی عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ بچّہ پیدا ہونے میں غالباً بہت تھوڑی دیر رہ گئی تھی۔

جیک بے تابی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کی نگاہ بار بار مشین کی طرف اُٹھ رہی تھی۔ مشین نصف گھنٹے سے خاموش تھی۔ اُس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے سے اضطراب جھلکنے لگا۔ نصف گھنٹہ اور دس منٹ ہو گئے تھے، وہ سوچ رہا تھا کہ نِک اپنی بیوی کو لے کر ہوائی مستقر سے چلا تو نہیں گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بچّے کی پیدائش کا مرحلہ سر پہ آ گیا ہو اور نِک اپنی بیوی کو سنبھالنے میں مصروف ہو۔ آخر بل شوائٹز میں کیا ہو رہا ہے؟ یہ سوچ سوچ کر وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔ پھر اچانک مشین کام کرنے لگی۔ وہ بھاگ کر اُس کے قریب پہنچا۔ نِک پیغام بھیج رہا تھا: "میں ائرپورٹ سے جا رہا ہوں، مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی بیوی کو اسپتال پہنچائے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔" اُس نے اس حادثے کا تفصیل سے تذکرہ کیا کہ لِنڈا کس طرح رن وے پر گر گئی تھی اور گرنے سے بچّے کی پیدائش کا مرحلہ کس حد تک قریب آ گیا ہے۔ یہ وضاحت کرتے وقت اُس نے شرم و حیا قطعاً نظرانداز کر کے مکمل صورتِ حال بیان کر دی۔

"تم نہیں جا سکتے۔" جیک نے ٹائپ کیا اور پوری قوّت سے مشین کی گھنٹی پہ ہاتھ مارا۔ "تم نہیں جا سکتے نِک! یہ باسٹھ جانوں کا سوال ہے۔ اگر تم چلے گئے تو اُن میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اُن کا خون تمھاری گردن پہ ہو گا۔"

"خون؟ اگر میں یہاں ٹھیرا رہا، خون تب بھی میری گردن پہ ہو گا۔ خون ہے جناب! چاہے وہ ایک کا ہو یا باسٹھ کا۔"

جیک کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پیچھے سے کسی نے کہا: "اگر نِک کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ اُسے الزام نہیں دیا جا سکتا۔"

جیک کی پیشانی پسینے سے بھیگ گئی، وہ تڑپ کر اُس آدمی کی طرف گھوما جو نِک کی حمایت میں بول رہا تھا۔ "مجھے بتاؤ۔" وہ چیخا۔ "تم میں سے کون ہے جو نِک کو اچھی طرح جانتا ہے۔" اُس نے اپنے آدمیوں سے سوال کیا۔ "بتاؤ، اُسے دُنیا میں سب سے زیادہ کیا چیز عزیز ہے؟ کیا اُسے دولت کا لالچ دیا جا سکتا ہے؟ بتاؤ، جلدی بتاؤ۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ کیا چیز پسند کرتا ہے؟ اُسے کس چیز کی خواہش ہے؟"

"ایک بچّے کی۔" کسی نے کہا۔ "لِنڈا کے سوا اُسے دُنیا کی کوئی چیز عزیز نہیں ہے جناب! وہ محبت کے معاملے میں دیوانہ ہے۔"

جیک نے اپنے بال نوچ لیے پھر جھپٹ کر طیارے کے مسافروں کی فہرست اُٹھائی۔ اُس نے فہرست پر جلدی جلدی نگاہ دوڑانے کے بعد ٹائپ کیا: "نِک! اُس جہاز میں تین معصوم بچّے بھی سوار ہیں۔ کیا تم انھیں بھی قتل کر دینا چاہتے ہو؟"

دوسری جانب سے خاموشی رہی۔ جیک کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔ کہیں نِک چلا تو نہیں گیا؟ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ اُس نے سوچا پھر دھڑام سے کرسی پر گر گیا۔

"ٹھیک ہے مسٹر جیک! ہم ٹھیریں گے۔" مشین نے نِک کا پیغام ٹائپ کیا۔ جیک کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے پھٹ گئیں۔

"شکریہ نِک! بہت بہت شکریہ۔ تم ایک عظیم انسان ہو نِک!" اُس نے ٹائپ کیا۔

"میرا شکریہ ادا نہ کیجیے، دراصل میری بیوی لِنڈا یہاں سے جانے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ اِس صورت میں اگر آپ میرا شکریہ ادا کریں گے تو مجھے یہ احساس ہو گا کہ میں اپنا ارادہ بدل بھی سکتا ہوں۔"

نِک اپنی بیوی کے پاس واپس پہنچا۔ اُس نے اُسے انتظار گاہ کے نرم

ج پر لٹا دیا تھا۔ لِنڈا کی حالت انتہائی قابلِ رحم تھی۔ اُس کی ٹانگیں تکلیف
ہ زیادتی سے شل ہو گئی تھیں لیکن ٹانگوں کی تکلیف اصل تکلیف کے مقابلے
ں نہ ہونے کے برابر تھی۔ لِنڈا ہر تکلیف برداشت کرنے کے لیے دیوانہ وار
بد و جہد کر رہی تھی۔

نِک نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے ہاتھ کے لمس سے
ڈا کو بہت سکون ملا۔ اُس کے زرد چہرے پر رونق نظر آنے لگی اور ہونٹوں پر
ا ساگوار مسکراہٹ کھیلنے لگی: ”فکر نہ کرو ڈارلنگ! اب میں بالکل ٹھیک ہوں
ں نے تم سے کہا تھا نا کہ تمہارا بچہ بہت صابر ہے۔ دیکھ لو وہ موقع کی نزاکت
بچان چکا ہے۔ جاؤ تم دل جمعی سے اپنا کام کرو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

بیوی کی جراًت مندانہ باتوں سے اُس کا دل بھر آیا لیکن ان باتوں نے
سے حوصلہ بھی دیا۔ وہ ایک نئے عزم کے ساتھ اُٹھ کے مشین کے پاس پہنچا۔ کوئی
بیغام نہیں تھا۔ وہ تیزی سے کارگو کے کمرے میں گیا۔ اُس کے برابر والے کمرے
یں جنریٹر تھے۔ اُس نے جنریٹر فوری استعمال کے قابل بنانے کے لیے

ابتدائی تیاری شروع کر دی اور ایک لمحے کے لیے اسے چلا کر اطمینان کر لیا کہ وہ
وقت پر دھوکا نہیں دے گا۔ اس کے بعد نِک دوبارہ مواصلات کے کمرے میں
آ گیا۔ مشین کام کر رہی تھی۔ جیک یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ وہاں موجود ہے یا
نہیں۔ اُس نے جواباً ٹائپ کیا کہ وہ جہاز کی آمد تک ہر صورت میں وہیں رہنے کا
تہیّہ کر چکا ہے لہٰذا جیک کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس نے گھڑی
دیکھی۔ جہاز آنے کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ باہر جانے کے لیے دروازے کی طرف
بڑھا۔ اُس کے کانوں سے لِنڈا کی کراہیں ٹکرائیں۔ وہ بے چین ہو کے رُک گیا۔
لیکن پھر جبر کر کے کمرے سے نکل گیا۔ اُس نے ٹارچ روشن کر کے رن وے پر رکھ
دی۔ وہ سوچنے لگا کہ کاش ایسی چند بیٹریاں اور ہوتیں تو مسئلہ بخوبی حل ہو سکتا
تھا۔ اُس کے دل میں بے اختیار خواہش پیدا ہوئی کہ کاش جہاز خیریت سے
اُتر آئے۔

معاً جہاز کی گرج سنائی دی۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اُس نے
اُوپر دیکھا۔ پائلٹ نے روشنیاں جلائی تھیں۔ ہوا کافی تیز ہو رہی تھی۔ وہ
جنریٹر روم کی طرف بھاگا۔ اُس نے جنریٹر چلا دیا۔ رن وے روشنی سے نہا گیا۔
نِک مواصلات کے کمرے میں واپس آیا۔ اُس نے جیک کو اطلاع دی کہ جہاز
مستقر کے اُوپر پرواز کر رہا ہے۔ جہاز نے ایک طویل چکر لگایا پھر پہاڑ کی چوٹی
سے قریب تر نظر آیا۔ برابر کے کمرے میں لِنڈا کی کراہیں بھی تیز ہو گئی تھیں۔
نِک نے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیا۔ جہاز اُترنے کی حالت میں آ چکا تھا۔
پھر جیسے ہی وہ رن وے کی طرف غوطہ زن ہوا، لِنڈا کی ایک طویل چیخ سنائی دی
پھر شاید خاموشی چھا گئی تھی یا جہاز کی گرج نے لِنڈا کی آوازیں دبا دی تھیں۔
نِک کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔ وہ مشین کے کی بورڈ پر سر ٹکا کے
بیٹھ گیا اور اُسے گرد و پیش کی کوئی خبر نہ رہی۔

ایک نرم ہاتھ اُس کے بالوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے بالوں میں
کسی کی اُنگلیاں محسوس کر کے آنکھیں کھولیں۔ اُسے ایک خوب صورت فضائی میزبان
دکھائی دی۔ اُس کے ہونٹوں پہ دل فریب مسکراہٹ جھوم رہی تھی۔ میں
اُس نے کہا۔ نِک ہوش میں آ گیا اور اُسے کئی آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے
لگیں: ”مبارک ہو مسٹر نِک! آپ ایک خوب صورت بچے کے باپ بن گئے
ہیں مگر عورت کہہ رہی تھی: ”جب ہم اندر پہنچے تو آپ کی بیگم پیدائش کے عمل
سے گزر رہی تھیں۔ میری ساتھی مس مین فضائی کمپنی میں آنے سے پہلے
نرسنگ کا کورس۔۔۔۔۔“

نِک کی نگاہ تین مسافر بچوں پر جمی ہوئی تھی۔ بچے حیرت سے اُس کی
مشین دیکھ رہے تھے۔ مشین دھڑا دھڑ ٹائپ کر رہی تھی لیکن نِک کے پاس
پیغامات پڑھنے کی فرصت نہیں تھی۔ اُس نے بڑھ کر تینوں بچوں کو لپٹا لیا اور
اُس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے، خوشی کے آنسو۔ اُس کے
کانوں میں ایک نوزائیدہ بچے کا رونا بھی موسیقی گھول رہا تھا۔

ایوان ہنٹر * اظہر کلیم

اُس کے سامنے ٹنگا نامی ایک جوان بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے سبز ریشمی جیکٹ پہن رکھا تھا جیکٹ کی آستینوں پر ایک نارنجی دھاری تھی اُس کا جیکٹ دیکھ کر ڈیو فوراً سمجھ گیا تھا کہ یہ وہی نوجوان ہے۔ ٹنگا ایک خطرناک گروہ کا نمائندہ تھا۔ گروہ نے اُسے ڈیو کی جان لینے یا اپنی جان دینے کے لیے بھیجا تھا۔ "یہ ایک بہترین ہتھیار ہے۔" ٹنگا نے میز پر رکھے ہوئے ریوالور کی طرف اشارہ کیا۔ "اگر تم اسے خریدنا چاہو تو اس کی قیمت کسی طرح پینتالیس ڈالر سے کم نہیں ہوگی۔"

ڈیو نے ریوالور کی طرف دیکھا۔ وہ اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور تھا اُسے پولیس اسپیشل کہا جاتا تھا۔ ٹنگا نے اُسے میز کے نیچوں بیچ رکھا تھا۔ اُس کی خوفناک نال ڈیو کی طرف تھی۔ ریوالور اپنی اکلوتی لیکن خوف ناک آنکھ سے ڈیو کو مسلسل گھور رہا تھا۔ نیلی دھات کا بنا ہوا یہ ریوالور ایک انتہائی خطرناک ہتھیار تھا۔ اُس کے قریب اعشاریہ تین آٹھ کی گولیاں بھی موجود تھیں۔ ڈیو نے ایسی نگاہ سے ریوالور دیکھا جیسے اُسے اُس سے کوئی خاص دلچسپی نہ ہو۔ اگرچہ وہ انتہائی خوف زدہ تھا اور اُسے صورتِ حال کی نزاکت اچھی طرح معلوم تھی۔ پھر بھی اُس نے اپنے چہرے سے خوف کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ وہ اپنے مخالف گروہ کے نمائندے ٹنگا پر یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ اس وقت اُسے کیا محسوس ہو رہا ہے۔ اُس نے کہا۔ "اس ریوالور میں مجھے تو کوئی خاص بات نظر نہیں آ رہی ہے۔ میں ایسے خطرناک ہتھیار پہلے بھی بارہا دیکھ چکا ہوں۔"

"یقیناً۔" ٹنگا نے کہا۔ "لیکن اس ریوالور سے جو واقعہ ہونے والا ہے اُس کا تجربہ تمہیں پہلے کبھی نہیں ہوا ہوگا۔" ٹنگا اپنی بڑی بڑی بھوری آنکھوں

ممکن ہے ایسی تحریر آپ نے پہلے نہ پڑھی ہو

ان نازک لمحوں کی کہانی جب موت اور زندگی کا دلچسپ تماشا ہو رہا تھا

دنیا بھر سے ادھر ادھر سے چار شوخ شریر، جاں گداز اور سنگ دل کہانیاں۔ مختصر مختصر

اس شمارے کے لیے بطورِ خاص توشۂ خاص

سے ڈیو کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈیو نے اُس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی محسوس کی، بہ ظاہر وہ کوئی خوف ناک آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے بال سیاہ تھے اور ناک قدرے لمبی تھی۔ دہانہ اور ٹھوڑی، یہ دونوں چیزیں خوب صورت تھیں۔ انھیں دیکھ کے اُسے بلّی جیسے چہرے کا نوجوان کہا جاسکتا تھا۔ سب سے نمایاں چیز اُس کی آنکھوں کی ایک مخصوص چمک تھی۔ وہ چمک بے حد خطرناک معلوم ہوتی تھی۔

"کھیل کا آغاز کیوں نہ کر دیا جائے؟" ڈیو خشک ہونٹ زبان سے تر کرکے ٹگّا کو گھورنے لگا۔

"تمھیں یہ اندازہ ہو جانا چاہیے مسٹر!" ٹگّا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "کہ میں ذاتی طور پر تمھارا دشمن نہیں ہوں۔ مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔"

"یہ تماشا میرے باس کے کہنے پر ہو رہا ہے۔ باس چاہتا ہے، ہم دونوں کے درمیان زندگی اور موت کا مقابلہ ہو۔ یہ مقابلہ ایک جُوا ہے۔ جو خوش نصیب ہوگا، وہ بچ جائے گا اور جو بدنصیب ہوگا اُسے موت آجائے گی۔ تم نے کل رات بازار میں اچھا خاصا ہنگامہ کر دیا تھا۔ تمھاری یہ حرکت باس کو بہت ناگوار گزری ہے۔ وہ تمھیں زندہ دیکھنا نہیں چاہتا مگر براہِ راست مارنا بھی نہیں چاہتا۔ اُس کا خیال ہے کہ قسمت خود تمھیں مار دے گی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں نے آج تک تمھاری ایک جھلک بھی نہیں دیکھی تھی۔ میں تمھارے متعلق صرف یہ جانتا تھا کہ تم سنہرا اور نیلا جیکٹ پہنے ہوتے ملو گے۔"

"مجھے بھی تم سے صرف اتنی واقفیت تھی کہ تم نے سبز اور نارنجی جیکٹ پہن رکھا ہے۔" ڈیو نے جواب دیا۔

"یقیناً، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ..."

"کیا ہم رات بھر اسی طرح صرف تبادلۂ خیال کرتے رہیں گے؟ ایسے معاملات میں تاخیر مناسب نہیں ہوتی۔" ڈیو نے تحمّل سے کہا۔

"میں دراصل یہ کہنا چاہتا ہوں۔" ٹگّا نے اُس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محض اتفاق ہے کہ اس کام کے لیے مجھے چن لیا گیا۔ ہر گروہ کو اپنے علاقے تک محدود رہنا چاہیے۔ کوئی گروہ دوسرے گروہ کے علاقے میں مداخلت کرتا ہے تو عموماً یہی صورتِ حال پیدا ہوتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں اپنی غلطی کا اقرار کر لینا چاہیے۔ ہمارے علاقے میں مداخلت کرکے تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"مجھے اقرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ڈیو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"بہرحال۔" ٹگّا نے بات جاری رکھی۔ "تم نے اور تمھارے آدمیوں نے ہمارے علاقے میں ایک مٹھائی کی دُکان پر فائرنگ کی تھی۔ یہ اچھا کام نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم نے بُرا کام کیا۔ اب تم تو اچھا کام کر دو۔" اُس نے ریوالور کی طرف انگلی اٹھائی۔

"باس چاہتا ہے کہ دونوں گروہوں کا ایک ایک آدمی آپس میں معا نمٹا لے۔ میں اسی لیے یہاں بھیجا گیا ہوں اور اس وقت ہم دونوں اکیلے ہیں۔ میں صاف ستھرے کھیل کا عادی ہوں۔ آؤ کھیل شروع کریں، دیکھیں قسمت کس کا ساتھ دیتی ہے۔"

"میں نے تمھیں آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔" ڈیو نے اُس کی بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے کہا۔

ٹگّا کی نگاہ اُس کے چہرے پر دیر تک جمی رہی۔ "اُس کی وجہ غا یہ ہے کہ تم یہاں نئے ہو۔ تم رہنے والے کہاں کے ہو؟"

"میں بروکس سے یہاں منتقل ہوا ہوں۔"

"تم اکیلے ہو یا خاندان کے ساتھ آئے ہو؟"

"خاندان کے ساتھ آیا ہوں۔"

"کیا تمھارا خاندان کئی افراد پر مشتمل ہے؟"

"بیوی کے علاوہ ایک بہن ہے اور دو بھائی ہیں۔"

"خوب۔ میری بھی ایک بہن ہے۔" ٹگّا نے کندھے اچکا کے "خیر۔" اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "اب۔" اُس نے دوسری با ٹھنڈی سانس لی۔ "میں چاہتا ہوں کہ اب کھیل شروع ہو جائے۔ کیا خیال ہے؟"

"میں خود یہی چاہتا ہوں۔" ڈیو نے کہا۔

ٹگّا نے ریوالور ہاتھ میں لے لیا۔ میز پر تین گولیاں تھیں۔ اُس نے اُن میں سے ایک اٹھا کے ریوالور کا چیمبر کھولا اور سلنڈر میں گولی ڈا کے ایک جھٹکے سے چیمبر بند کر دیا۔ پھر اُس نے چیمبر کو تیزی سے حرکت د "یہ گھومتا رہے گا اور گھومتے گھومتے رُک جائے گا۔ پھر کوئی نہیں بتا سکتا گولی کس چیمبر میں ہے؟ اس سلنڈر میں چھ چیمبر ہیں اور چھ چیمبروں میں ایک گولی ہے۔ ایک کے سوا پانچ چیمبر خالی ہیں لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ بھرا ہوا چیمبر کون سا ہے۔ تم سمجھ رہے ہو؟"

"ہاں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔"

"ریوالور پہلے میں استعمال کروں گا۔" ٹگّا نے کہا۔

ڈیو نے شک کی نگاہ سے اُس کی طرف دیکھا۔ "پہلے تم کیوں استعمال کرو گے؟"

"کیا تم پہلے استعمال کرنا چاہتے ہو؟" ٹگّا کے لہجے میں حیرت

"معلوم نہیں۔" ڈیو نے تذبذب سے جواب دیا۔

"میں، دراصل تمھیں ایک موقع دینا چاہتا ہوں۔" ٹگّا پہلی بار مسکرا

"ممکن ہے، پہلے ہی فائر میں گولی چل جائے اور میری کھوپڑی میں کھٹ کی بن جائے۔"

"تم مجھے یہ موقع کیوں دینا چاہتے ہو؟" ڈیو نے الجھتے ہوئے کہا۔

رنگا نے بے پروائی سے کندھے اچکائے "میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔" اُس نے سیلنڈر کو ایک دفعہ پھر تیزی سے حرکت دی اور اُسے گھومتے ہوئے دیکھتا رہا۔

"غالباً یہ طریقہ روسیوں نے ایجاد کیا ہے؟" ڈیو بھی سیلنڈر گھومتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔ اس انوکھے طریقے کے بانی وہی ہیں۔" سیلنڈر رک گیا۔ رنگا نے ایک طویل سانس لی اور اعشاریہ تین آٹھ کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ کے لبلبی دبا دی۔ ڈیو کے دل کی دھڑکن رک گئی۔ گھوڑا خالی چیمبر سے ٹکرایا۔ فائر نہیں ہوا صرف کلک کی آواز سنائی دی۔ "اوہ یہ تو بہت سہل کام تھا۔ کیا خیال ہے؟" رنگا نے کہا۔ اُس کے ماتھے پر ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔ اُس نے ریوالور میز پر رکھ کے ڈیو کی طرف سرکا دی۔ "اب تمھاری باری ہے۔"

ڈیو کا ہاتھ ریوالور کی طرف بڑھا۔ تہہ خانے میں شدید سردی تھی۔ لیکن ڈیو پسینے میں نہا رہا تھا۔ ڈیو نے ریوالور صرف چھوا لیکن اٹھایا نہیں۔ اُس نے رانوں پر ہاتھ پھیر کے پتلون سے ہتھیلیاں خشک کیں۔ ریوالور ہاتھ میں لیا اور اُسے گھورنے لگا۔ رنگا نے کہا "میں تمھیں بتا چکا ہوں۔ یہ ایک بہترین ریوالور ہے۔"

"ہاں، میں تمھارے خیال سے متفق ہوں۔" ڈیو نے کہا "جب تم اسے اپنے ہاتھ میں لیتے ہو تو تمھیں بہت اچھا لگتا ہوگا؟"

رنگا متحیر نظر آنے لگا۔ "میں نے کل ایک شخص سے اس کھیل کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ مجھے پاگل سمجھ رہا تھا۔"

"بیشتر لوگ اس کھیل اور اس بہترین ہتھیار سے نا واقف ہیں۔"

"میں بچپن میں اکثر یہ سوچتا تھا کہ بڑا ہو کے فوج میں بھرتی ہو جاؤں گا۔" رنگا نے بتایا۔ "میں اس قسم کے ہتھیاروں سے کھیلنا بہت پسند کرتا ہوں۔"

"میں نے بھی کم عمری میں یہی خواب دیکھا تھا۔ میں تو اب بھی فوجی ملازمت کرنا چاہتا ہوں لیکن میری بیوی مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی۔" ڈیو نے کہا۔ "اگر میں نے اس سلسلے میں کوئی کوشش کی تو ممکن ہے، وہ مجھ سے الگ ہو جائے اور یہ بات میں پسند نہیں کرتا۔"

"عورتیں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔" رنگا مسکرانے لگا۔ "میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔"

"بہتر ہوگا کہ میں سیلنڈر گھما دوں؟" ڈیو نے کہا

"یقیناً۔" رنگا نے تائید کی۔

ڈیو نے سیلنڈر پر ہاتھ مارا، سیلنڈر گھومنے لگا اور دیر تک گھومتا رہا

پھر یکایک رک گیا۔ آہستہ آہستہ اُس کا ریوالور والا ہاتھ اٹھا اور نال کنپٹی سے لگ گئی۔ وہ آنکھیں بند کر لینا چاہتا تھا لیکن ایک دشمن کی موجودگی پر وہ اس کی جرأت نہیں کر سکا۔ رنگا مسلسل اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈیو بھی اُ[illegible] گھورنے لگا۔ پھر اُس نے لبلبی دبا دی۔ اُس کا دل اچھل کے حلق میں اٹک گیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس کے سر میں کھولتا ہوا لہو پرسکون ہو گیا۔ گھوڑا خالی چیمبر سے ٹکرایا تھا۔ گولی نہیں چلی تھی۔ اُس نے جلدی سے ریوالور میز پر رکھ دیا۔

"تمھیں پسینہ آ رہا ہے۔" رنگا نے کہا۔ ڈیو نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُس کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگ گئی۔ اُس نے رنگا کی طرف دیکھا۔ وہ خالی خالی نگاہ سے ریوالور کو گھور رہا تھا۔ "اب میری باری ہے نا؟" اُس نے ایک طویل سانس لے کے بھاری ریوالور اٹھا لیا، کندھے جھٹکے اور کہا۔ "خیر، دیکھا جائے گا۔" اُس نے سیلنڈر کو حرکت دی اور اُس کے رکنے کا انتظار کرنے لگا۔ سیلنڈر رک گیا۔ اُس نے نال کنپٹی پر رکھ لی اور "فائر" کا لفظ چیخ کے لبلبی دبا دی۔ گھوڑا پھر خالی چیمبر سے ٹکرایا۔ گولی کا دھماکا سنائی نہیں دیا۔ اُس نے ایک طویل سانس لے کے ریوالور نیچے رکھ دیا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ شاید اس دفعہ میری موت آ ہی گئی۔"

"ہاں، میں تمھارے دل کی دھڑکن سن رہا ہوں۔"

"کیا تمھیں معلوم ہے کہ وزن کم کرنے کے لیے یہ ایک بہترین طریقہ ہے۔" رنگا گھبرائے ہوئے انداز میں ہنسا۔ ڈیو کی طرح وہ بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا دلی خوف ظاہر ہو مگر اُس نے دیکھا کہ ڈیو اُس کے ساتھ ہنس رہا ہے تو اُس کی ہنسی میں حقیقت کا عنصر پیدا ہو گیا۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اس خطرناک کھیل سے پانچ سیر وزن فوراً کم ہو سکتا ہے۔"

"میری بیوی ایک گھریلو عورت ہے۔ گھومتی پھرتی نہیں ہے اس لیے موٹی اور وزنی ہو گئی ہے۔" ڈیو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر وہ اس قسم کی ورزش کرے تو یقیناً اُس کا وزن فوراً کم ہو جائے گا۔" وہ ہنستا رہا۔ جلدی ہی اُسے یہ احساس ہو گیا کہ رنگا بھی اُس کے ساتھ برابر ہنسی میں شریک ہے۔

"یہی تو مصیبت ہے۔" رنگا نے کہا۔ "آج تم جس نوجوان کو دبلا پتلا دیکھو، کل وہی موٹا نظر آنے لگتا ہے۔" اُس نے مایوسی سے اپنا سر ہلایا۔

"تمھاری کوئی محبوبہ بھی ہے؟" ڈیو نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔"

"کیا نام ہے اُس کا؟"

"تم اُسے نہیں جانتے۔ نام پوچھ کے کیا کرو گے؟"

"ممکن ہے، میں اُسے جانتا ہوں۔"

"اُس کا نام جوآنا ہے۔" رنگا نے گہری نگاہ سے اُسے دیکھا۔ "وہ بہت خوب صورت لڑکی ہے۔ اُس کی آنکھیں بھوری ہیں۔"

"میرا خیال ہے، میں اُسے جانتا ہوں۔" ڈیو نے اثبات میں سر

ہلایا۔"ہاں، میں اُسے جانتا ہوں۔"
"وہ کتنی اچھی لڑکی ہے، کیا خیال ہے؟" ٹنگا ڈیو کی طرف جھک گیا جیسے ڈیو کا جواب اُس کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہو۔
"ہاں وہ ایک بہترین لڑکی ہے۔" ڈیو نے تائید کی۔
"مجھے اُس کے ساتھ دیکھ کے میرے ساتھی ہمیشہ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔" ٹنگا نے کہا۔"انھیں کیا معلوم کہ جوآنا میں کیا خاص بات ہے۔"
"بیوی کے علاوہ میری بھی ایک محبوبہ ہے۔"
"اچھا؟" ٹنگا نے حیرت سے کہا۔"ممکن ہے کسی وقت ہم دونوں ......" اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اُس کی نگاہ ریوالور پر جم گئی۔ اُس کا جوش و خروش ختم ہو گیا۔"اب تمھاری باری ہے ڈیو!"
"ہاں لیکن شاید اس دفعہ بھی گولی نہیں چلے گی۔" ڈیو نے ریوالور اٹھا لیا۔ اُس نے سلنڈر گھمایا، ایک طویل سانس لی اور جیسے ہی سلنڈر کی حرکت رُکی اُس نے لبلبی دبا دی۔ خاموش فضا میں کلک کی دھیمی آواز سنائی دی۔ گولی نہیں چلی۔" کیا خیال ہے؟" ڈیو نے قہقہہ لگایا۔
"میرا خیال ہے، ہم دونوں بہت خوش قسمت ہیں۔" ٹنگا نے کہا۔
"ہاں، اب تک تو یہی ہو رہا ہے۔"
"ہمیں گولیوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہوگا کیونکہ ہم میں سے ایک کو ضرور مر جانا چاہیے۔ اگر ہم دونوں زندہ رہے تو میرا باس یہ بات پسند نہیں کرے گا۔" یہ کہہ کے ٹنگا پھر خاموش ہو گیا۔ اُس کا ہاتھ گولیوں کی طرف بڑھا۔ میز پر دو گولیاں اور تھیں۔ اُس نے اُن میں سے ایک اٹھا کے چیمبر میں ڈال دی۔"اب سلنڈر میں ایک کے بجائے دو گولیاں ہیں۔ دو چیمبر بھرے ہوئے ہیں، چار خالی ہیں۔ اب کام قدرے آسان ہو جائے گا۔"
"ہاں کام آسان ہونا چاہیے۔ ہم اسی لیے یہاں آئے ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔" ٹنگا نے ریوالور کی نال کنپٹی پر رکھ لی۔"لو بھائی! میں تو چلا۔ میرا خیال ہے کہ تمھیں ہمّت جمع کر لینی چاہیے۔"
"سر دست ہمّت کی تمھیں ضرورت ہے۔" ڈیو نے کہا۔"کیا تم یہا[ں]
سے قریب رہتے ہو؟"
"ہاں۔" ٹنگا نے ریوالور کنپٹی سے ہٹا کے سلنڈر ایک دفعہ پھر گھما[یا]
سلنڈر آہستہ آہستہ گھومتا ہوا رک گیا۔
غالباً یہی وجہ ہے کہ اس سے پہلے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔ میں
دور رہتا ہوں اور پھر یہاں نیا نیا آیا ہوں۔" ڈیو نے کہا۔
"ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تم ہمارے مخالف گروہ سے تعلّق رکھتے ہو۔"
"کیا تمھیں اپنے گروہ کے لوگ پسند ہیں؟" ڈیو نے پوچھا۔ وہ خو[د]
حیران تھا کہ ایسا احمقانہ سوال کیوں کر رہا ہے۔
ٹنگا سلنڈر کو حرکت دے رہا تھا۔"پسند تو نہیں ہیں۔ بہر حال اب
مجھے دیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں مجھے گروہ کے کسی ممبر نے نہیں بھیجا ہے
ہمارے گروہ کا سرغنہ بڑا عجیب اور خطرناک آدمی ہے۔ اُس نے اس ایثا[ر]
کے لیے نہ معلوم کیوں مجھی کو منتخب کیا۔" ٹنگا کا ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہوا [اور]
نال کنپٹی سے لگ گئی۔
"ٹھیرو۔" ڈیو نے ہاتھ اٹھا کے کہا۔
ٹنگا نے تذبذب سے اُس کی جانب دیکھا۔"کیا بات ہے؟"
"کچھ نہیں۔ دراصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ.... میرا مطلب ہے
......" ڈیو کسی سوچ میں ڈوب گیا۔"مجھے بھی اپنے گروہ کے ساتھی پسند نہیں"
ٹنگا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کی آنکھیں ڈ[یو]
کی آنکھوں میں گڑ گئیں۔ ڈیو کی کیفیت بھی یہی تھی۔ ٹنگا نے کندھے اچکائے
اور لبلبی پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا۔
ایک مرتبہ پھر خاموش فضا میں گھوڑا خالی چیمبر سے ٹکرانے کی آوا[ز]
گونجی۔ گولی اس بار بھی نہیں چلی تھی۔"حیرت انگیز۔" ٹنگا بڑبڑایا۔
"ہاں، بے حد حیرت انگیز، لیکن یہ انتہائی خوش قسمتی کا مقام ہے
شاید قسمت ہم میں سے کسی کو مارنا نہیں چاہتی۔"
ٹنگا نے ریوالور میز پہ ڈال دیا۔ ڈیو ایک لمحے کے لیے ہچکچایا۔ وہ
خطرناک ہتھیار اب اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ نہ معلوم کیوں اسے یقین تھا کہ
اس مرتبہ وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ اب ریوالور میں ایک کے بجائے دو گولیاں
تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ اس مرتبہ گولی چیمبر میں اُس کی منتظر ہو۔"بسا اوقات
مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں نرک نسل سے ہوں۔" ڈیو نے کہا۔
"پہلے پہل میں یہی سمجھا تھا۔"
"یہ بات میں نے کبھی کسی کو نہیں بتائی۔" ڈیو نے کہا۔"یہ بات میں اپ[نے]
گروہ کے ساتھیوں کو بتا دیتا تو وہ مجھ پر خوب ہنستے اور شاید مذاق کرتے کر[تے]
مجھے پریشان کر کے رکھ دیتے۔"

"آدمی کے پاس کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور ہونی چاہیے جسے وہ اپنی ذات تک محدود رکھ سکے۔ اس دنیا میں ایسا کوئی نہیں ہے جس پر مکمل اعتماد کیا جا سکے۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک آدمی ایسا ضرور ہونا چاہیے جس پر اندھوں کی طرح اعتماد کیا جا سکے۔" ڈیو نے کہا۔ "مگر یہ باتیں تم اپنے گروہ کے ممبروں سے نہیں کر سکتے۔ وہ ایسی باتیں سمجھنے کے عادی نہیں ہیں۔"

ٹنگا ہنسنے لگا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو۔ میرے گروہ کا کوئی آدمی اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ اس کے باوجود دنیا کا کاروبار چل رہا ہے۔"

"کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، یقین کرے یا نہ کرے، میں خود کو ترک نسل کا سمجھتا رہوں گا۔"

"یقیناً، یقیناً" ٹنگا نے کہا۔ "لیکن یہ دنیا بڑی خراب جگہ ہے۔ یہاں بہت اندوہ ناک جرائم ہوتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ایک بے گناہ راہ گیر کو خوف زدہ کر کے لوٹ کیوں لیا جاتا ہے؟ آخر کسی کو کیا حق ہے کہ اُس کی کمزوری اور بزدلی سے فائدہ اٹھائے؟ میں سوچتا ہوں کہ یہ کام کسی کی محبوبہ اڑا لے جانے سے بھی زیادہ ذلیل کام ہے۔ کتنی گری ہوئی حرکت ہے کہ آدمی اپنے مفاد کی خاطر..." یکایک وہ چونک کے خاموش ہو گیا۔ پھر زیرِ لب بولا۔ "میرا گروہ یہی کام کرتا ہے۔ کبھی کبھی یہ باتیں میرا ذہن بری طرح الجھا دیتی ہیں۔"

"یقیناً ٹنگا!" ڈیو نے کہا۔ "اس کے باوجود تم اُس گروہ سے وابستہ ہو اور غالباً آیندہ بھی تم یہ کام جاری رکھو گے؟"

"ہاں، لیکن میں کروں کیا؟ اب میں اتنا ملوّث ہو چکا ہوں کہ گروہ چھوڑنا میرے لیے ناممکن ہے۔" وہ ڈیو کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"بہرحال، اب میری باری ہے۔" ڈیو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور ریوالور اٹھا لیا۔ اُس نے سر کو دائیں بائیں حرکت دی۔ پھر سلینڈر پر ہاتھ مارا۔ سلینڈر گھومنے لگا اور گھومتے گھومتے پھر رک گیا۔ ڈیو ریوالور گھورنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا گولی والا چیمبر گھوڑے کے بالکل سامنے ہے؟ پھر اُس نے لبلبی دبا دی۔ کلک کی آواز اُبھر کے رہ گئی۔ گولی اس بار بھی نہیں چلی تھی۔

"میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم مرو گے نہیں۔" ٹنگا نے کہا۔

"لیکن میرا خیال اس سے مختلف تھا۔"

"تم ایک جرأت مند آدمی ہو ڈیو!" ٹنگا نے اعتراف کیا۔ اُس نے ریوالور کی طرف دیکھا اور کاہلی سے اُسے اٹھا کے کھول دیا۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" ڈیو نے پوچھا۔

"ایک گولی اور ڈال رہا ہوں۔ چھ چیمبروں میں تین گولیاں ہو جائیں گی۔ اس طرح خالی اور بھرے ہوئے چیمبروں کی تعداد برابر ہو جائے گی۔ سمجھ گئے؟"
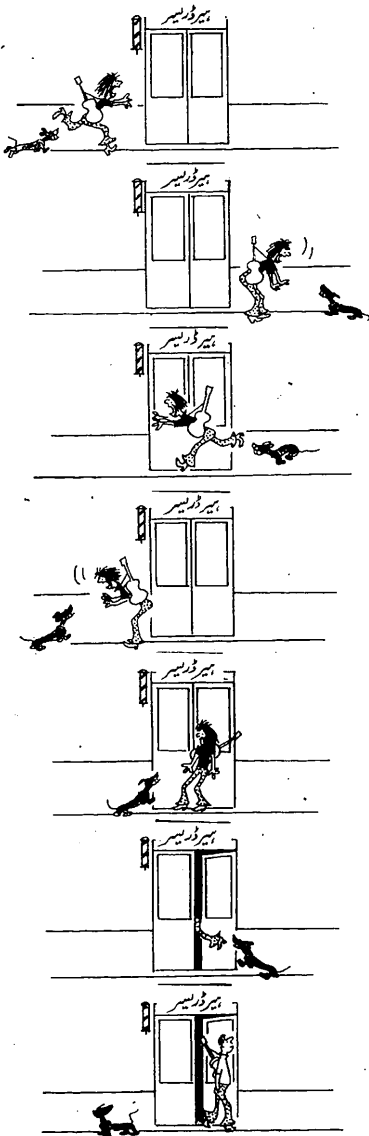
"سوچ لو، اب تمھاری باری ہے۔"

"میرے ساتھیوں کا خیال تھا کہ میں جیت جاؤں گا۔" ٹنگا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مگر اب میری باری ہے۔ تین گولیاں، تین خالی

کراچی سے عتیق احمد کا رنگ

رئیس نے ملک کے ماہر ترین معمار سے اپنے مقبرہ تیار کروایا۔ معمار نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر کے اُسے یادگار عمارت کا رُوپ دے دیا۔ تکمیل کے آخر میں رئیس مُعائنے کے لیے گیا اور اُس نے معمار سے سوال کیا "اب اس میں کس چیز کی کمی ہے؟"

معمار نے جواب دیا "آپ کی۔"

اور تین بھرے ہوئے چیمبر۔" ٹنگا نے ریوالور بلند کیا۔

ڈیو گہری نگاہ سے اُسے گھور رہا تھا "کیا تم کبھی جھیل کی سیر کرنے گئے ہو؟" ڈیو نے پوچھا۔

ٹنگا نے ڈیو کی طرف دیکھا "ہاں میں جوآنا کے ساتھ گیا ہوں۔"

"کیا کشتی کی سیر میں خوب لطف آتا ہے؟"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے کبھی جھیل کی سیر نہیں کی؟"

"ہاں میں نے کبھی اپنی محبوبہ کے ساتھ کشتی میں سیر نہیں کی ہے۔"

"اوہ، یہ تفریح ضرور آزمانی چاہیے۔ لہروں پر محبوب کے ساتھ بہنے میں بہت لطف آتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تمھیں ایک آدھ بار ایسا ضرور کرنا چاہیے۔"

"میں سوچ رہا تھا کہ اس اتوار کو....." ڈیو نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اب میری باری ہے۔" ٹنگا نے تھکے تھکے انداز میں سلنڈر گھمایا اور اُس کے رُکنے کا انتظار کرنے لگا۔ سلنڈر ساکت ہو گیا تو اُس نے لبلبی دبا دی۔ کلک کی آواز سنائی دی۔ گولی اس دفعہ بھی نہیں چلی تھی۔ گھوڑے کے سامنے خالی چیمبر آگیا تھا۔

ڈیو گھبرائے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا۔ "بہت تھکن ہو گئی ہے لیکن مجبوری ہے، ہم آرام نہیں کر سکتے۔"

"تم ایک بہادر آدمی ہو ڈیو! مجھے اُمّید ہے کہ اس کھیل کے انجام پر میں زندہ رہوں گا۔" ٹنگا نے کہا۔ "پھر بھی اب میں ہمّت ہارتا جا رہا ہوں۔"

"آخر اس میں ہمّت ہارنے کی کیا بات ہے؟"

"کیا ہم رات بھر یہ کھیل جاری رکھیں گے؟ میرا باس چاہتا ہے کہ....."

"میرا خیال ہے ہمیں یہ کوشش ترک کر کے کسی اور طرح معاملہ نمٹا لینا چاہیے۔" ڈیو خفت سے مسکرا کے ٹنگا کی طرف دیکھنے لگا۔

"غالباً تم یہ چاہتے ہو کہ اس سلسلے میں گروہ کے ممبروں سے بات چیت کی جائے۔" ٹنگا نے کہا۔ "لیکن وہ لوگ بہت سخت گیر اور بے حس ہیں۔ انھیں سمجھائے گا کون؟"

"ہم سمجھائیں گے۔" ڈیو نے کہا۔

"ہاں، ممکن ہے ہم انھیں سمجھا سکیں۔" ٹنگا نے تائید کی۔ "اصولاً تو انھیں ہماری بات مان لینی چاہیے۔ ہم اُن سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے مسلسل کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔" اُس نے کندھے اچکائے۔ "آخر کیا مصیبت ہے۔ ہم رات بھر یہ کھیل جاری نہیں رکھ سکتے۔ کیا خیال ہے؟"

"معلوم نہیں۔" ڈیو نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں ایک آخری کوشش کر لینی چاہیے۔ اگر ہم اب کے بھی ناکام ہو گئے اور ہماری ناکامی گروہ نے پسند نہ کی تو ہمارا راستہ اُس سے الگ ہو سکتا ہے۔"

"میرا اور تمھارا گروہ یہ بات ہرگز پسند نہیں کرے گا۔ ہمیں اپنے اپنے گروہ کے مفادات کی خاطر یہ معاملہ نمٹانا ہی پڑے گا۔"

"لعنت بھیجو گروہ پر۔" ٹنگا غرایا۔ "کیا ہم دونوں مل کر ایک...

..." اُس کا جملہ نامکمل رہ گیا۔ غالباً اُسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ دونوں جھینپ گئے۔ "ہمارے پاس دوستوں کی کمی نہیں ہے۔" آخر اُس نے کہا۔

"یقیناً ایسا ممکن ہے۔" ڈیو نے تائید کی۔ "ہم ایسا کر سکتے ہیں، کر کیوں نہیں سکتے؟"

"ضرور کریں گے لیکن فی الحال ایک آخری کوشش تو کر لیں۔" ٹنگا نے کہا۔ "قطعی اور آخری کوشش۔"

ڈیو نے قہقہہ لگایا "سنو ٹنگا! ہٹاؤ یہ مصیبت، ہمیں اپنے اپنے گروہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے ہمیں یک جا کر دیا۔ میری رائے ہے ہم دونوں اس اتوار کو ایک ساتھ کشتی کی سیر کے لیے چلیں گے۔ ہماری محبوبائیں بھی ہمارے ساتھ ہوں گی۔ ہم دو کشتیاں حاصل کریں گے۔ ویسے اگر تم پسند کرو تو ایک کشتی سے بھی کام چل جائے گا۔"

"ہاں، ایک کشتی کافی ہے، چار آدمیوں کے لیے ایک کشتی میں سیر کرنا مشکل نہیں ہے۔ میں دراصل یہ سوچ رہا ہوں کہ تمھاری محبوبہ میری محبوبہ جوآنا کو پسند کرے گی یا نہیں؟"

سلنڈر رک گیا۔ ڈیو نے ریوالور کنپٹی پر رکھ لیا۔ "اتوار کی حسین شام کے نام" اُس نے مسکرا کے لبلبی دبا دی۔ گولی اس دفعہ بھی نہیں چلی۔ ڈیو اور ٹنگا ایک دوسرے کو دیکھ کے مسکرائے۔ ڈیو کا سر سلامت دیکھ کے ٹنگا کے تصوّر میں اتوار کا پروگرام اُبھرا مگر دوسرے ہی لمحے اُس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹ گئیں۔ ڈیو ایک طرف لڑھک رہا تھا اور اُس کے سینے سے خون کا فوّارہ اُبل رہا تھا۔ "آہ۔" ٹنگا دہشت زدہ ہو کے پلٹا مگر اُس کی آواز ایک کرب ناک چیخ میں تبدیل ہو گئی۔ کمرے میں پھر ایک دھماکا ہوا اور ڈیو کی طرح ٹنگا بھی فرش پہ ڈھیر ہو گیا۔

دروازے میں ٹنگا کے گروہ کا سرغنہ سبز ریشمی جیکٹ پہنے ہوئے کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ دونوں غنڈوں کو نفرت اور حقارت سے دیکھ رہا تھا۔

جی ای فاکس * اظہر کلیم

ناآسودہ وقت کی آسودگی کے لیے
مغرب سے درآمدہ تازہ بہ تازہ
دو(۱) شوخ اور شریر کہانیاں
اس پرواز کی کہانی جس میں بیک وقت
دو(۲) پاگل سوار تھے

کیپٹن نے جہاز کے عملے کی طرف دیکھا۔ سبھی کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہر شخص کی نگاہ ریوالور پر جمی ہوئی تھی۔ کوئی بھی اپنے منصبی فرض کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ایئر ہوسٹس سوسی کا چہرہ دھلی ہوئی چادر کی طرح سفید نظر آ رہا تھا۔ ریوالور بردار شخص اسے اپنے ساتھ پائلٹ کے کیبن تک زبردستی لایا تھا۔

کیپٹن اس صورتِ حال سے پریشان تھا۔ اسے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ کبھی اس کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آ سکتا ہے۔ اس نے اخبارات میں ایسے بہت سے واقعات پڑھے تھے لیکن صحیح کیفیت آج پہلی بار اس پر آشکار ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ ناممکن ہے لیکن محض سوچنے سے حقائق نہیں بدلتے۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور جہاز کے آلات کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ جہاز تیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ موسمی حال کے آلے سے ظاہر تھا کہ کچھ دیر بعد طوفان بھی آنے والا ہے۔ اگر جہاز مزید دس ہزار فٹ بلند ہو جاتا تو بادلوں کے اوپر پرواز ممکن تھی۔ اس طرح وقتی طور پر طوفان کا خطرہ ٹل سکتا تھا لیکن ریوالور والے آدمی کو کس طرح ٹالا جائے؟ کیپٹن مسلسل غور کر رہا تھا۔ اس آدمی نے ہر بات کو ذیلی حیثیت دے دی تھی۔ ریوالور کا رخ کیپٹن کی طرف تھا اور ریوالور والے آدمی کی نگاہ پائلٹ کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

کیپٹن نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک عام سے چہرے کا نوجوان تھا۔ اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ جلد سفید لیکن دھبے دار تھی۔ وہ بظاہر سیدھا سادا آدمی نظر آتا تھا لیکن اس کی آنکھیں سرخ تھیں ایک

مخصوص چمک نے اُس کی آنکھیں خوف ناک بنادی تھیں۔ اُس کے جبڑے سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ "ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" ریڈیو افسر نے پوچھا۔ اُس کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔ وہ اسی طرح بات کر رہا تھا۔ جیسے وائرلیس پر عموماً کرتا تھا۔ "یہ شخص پچاس ہزار ڈالر طلب کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ صرف پندرہ منٹ میں اسے دو پیراشوٹ مہیا کیے جائیں۔"

"ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔" ریوالور والے نے سخت لہجے میں کہا۔

"لیکن میں حیران ہوں کہ ایک دم اتنی بڑی رقم کی فراہمی کس طرح ممکن ہے۔" کیپٹن نے کہا۔ "فرض کرو ہم اس میں ناکام ہو گئے تو...."

"میں اس سلسلے میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔" ریوالور والے نے کہا۔ "جہاز ہیتھرو ایئرپورٹ پر اتارنے سے پہلے انھیں اطلاع دے دو، وہ اس رقم کا انتظام کر دیں گے۔ میں رقم وصول کرنے کے بعد بتاؤں گا کہ تمھیں کہاں کے لیے پرواز کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے ہیری!" کیپٹن نے ریڈیو افسر سے کہا۔ "تم وائرلیس پر اطلاع دے دو۔ میں پچاس ہزار ڈالر کے لیے مسافروں اور عملے کے لوگوں کی جانیں قربان نہیں کر سکتا۔" ریڈیو افسر نے سر ہلایا اور پیغام نشر کرنے لگا۔

"آخر اتنی کم مہلت میں اتنی بڑی رقم کیسے فراہم کی جاسکتی ہے۔" کیپٹن نے ایک بار پھر اپنی بات دُہرائی۔

"یہ اُن لوگوں کا سر درد ہے۔" ریوالور والے نے سفاکی سے کہا۔

کیپٹن خاموش ہو گیا۔ اس قدر سخت جواب کے بعد مزید گفتگو کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ ریوالور والا کوئی منجھا ہوا لٹیرا ہے اور اُسے جذبات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جہاز میں ایک سو دس مسافر تھے۔ ابھی مسافروں کو صورتِ حال کا علم نہیں تھا۔ ورنہ انھیں سنبھالنا الگ ایک مسئلہ ہو جاتا۔ کیپٹن نے تصور میں جہاز کے پُرسکون مسافروں کو دیکھا۔ سب بے فکری سے اونگھ رہے تھے۔ ریڈیو افسر نے پیغام دینے کے بعد جواب سنا اور کیپٹن کی طرف متوجہ ہوا۔ "ایئرپورٹ والے مطلوبہ رقم کا بندوبست کر دیں گے۔"

"اور پیراشوٹ؟" ریوالور والے نے پوچھا۔

"وہ بھی مل جائیں گے۔" کیپٹن نے جواب دیا۔ "اور....."

"خاموش رہو۔" ریوالور والا غرّایا۔ "میں ریڈیو افسر سے بات کر رہا ہوں۔"

"تمھیں ایئرپورٹ پر پیراشوٹ اور رقم دونوں چیزیں تیار ملیں گی۔ بے فکر رہو۔" ریڈیو افسر نے اُسے اطمینان دلایا۔

کیپٹن سوسی کی طرف متوجہ ہوا۔ "ہمارے لیے کافی لے آؤ اور ہاں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ شخص ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

سوسی نے ریوالور والے کی طرف دیکھا۔ ریوالور کی نال کیپٹن کی طرف تھی۔ اُس نے اثبات میں سر ہلا کے سوسی کو اجازت دی۔ "تم جا سکتی ہو، میں بھی کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم مسافروں میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش نہیں کرو گی۔"

"ہم بے بس ہیں، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" کیپٹن نے ریوالور والے سے کہا۔ "کیا تم نے یہ بھی سوچا تھا کہ اس قدر بلند پرواز کے دوران میں ریوالور سے کتنے خوف ناک نتائج سامنے آسکتے ہیں؟"

"ہاں۔ میں نے سوچا تھا اور یہی بات میرے لیے ترپ کا اِکّا ثابت ہو رہی ہے۔ کیا خیال ہے؟"

سوسی دروازے سے نکلنے والی تھی کہ اچانک کسی نے اُسے پُشت سے دھکّا دیا۔ وہ چونک کے رُک گئی۔ دروازے میں ایک جسیم عورت نظر آئی۔ اُس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ اُس نے گلابی لباس پہن رکھا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔

کیپٹن بھی چونک کے اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس نے عورت کے ہاتھ میں بیش قیمت انگوٹھیوں کی جھلک دیکھ لی تھی۔ انگوٹھیاں اُس کی موٹی انگلیوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔ کیپٹن نے عورت کے نقش و نگار سے اندازہ لگایا کہ وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔ پھر اُسے یاد آگیا کہ وہ کون ہے۔ وہ نیویارک کی ایک متموّل اداکارہ تھی۔ اس کا نام ہیٹی تھا۔

سوسی اُسے دیکھ کے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ عورت صورتِ حال سے خوف زدہ ہو کے واپس بھاگے اور مسافروں کو اس واقعے سے آگاہ کر دے۔ "مادام! مسافروں کو یہاں آنے کی اجازت....."

"فوراً باہر نکل جاؤ۔" ریوالور والا غرّایا۔ اُس کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا تھا۔ اُسے ہیٹی کی مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔ "کیا تمھیں میرے ہاتھ میں ریوالور نظر نہیں آرہا ہے؟"

"میں کیپٹن سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔" عورت نے ہذیانی انداز میں کہا۔ اُس کی آنکھیں خوف سے اُبل رہی تھیں۔ اُس نے غیر یقینی انداز میں ریوالور کی جانب دیکھا اور کسی شخص کے متعلق کہا۔ "وہ پاگل ہے، اُس کے پاس ایک دستی بم ہے۔ وہ پاگل میرے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے۔ اُس کا ارادہ انتہائی خطرناک ہے۔ وہ جہاز تباہ کر ڈالے گا۔ میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ وہ تہیّہ کیے بیٹھا ہے۔"

"بم؟" ریوالور بردار شخص زیرِ لب بڑبڑایا۔ اُس کے چہرے پر اُلجھن کے تاثّرات پیدا ہو گئے۔ اُس نے ریوالور کا رُخ ہیٹی کی جانب کر دیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ہیٹی کو قتل کرنے والا ہے۔

"مادام!" کیپٹن نے پُرسکون لہجے میں ہیٹی سے کہا۔ "براہِ کرم خود پر قابو رکھنے کی کوشش کیجیے اور سکون سے بتائیے کہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"اُف میرے خدا، وہ دوبارہ آرہا ہے۔"

اس نے بے تابی سے ریوالور والے کی طرف دیکھا۔" مجھے مادام سے بات کرنے دو احمق!"

عورت پریشانی سے ریوالور گھور رہی تھی، دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اسے مذاق سمجھ رہی ہو لیکن رفتہ رفتہ اسے یقین آتا جارہا تھا کہ اُس کے سامنے ایک سنگین حقیقت ہے۔" اوہ! پائلٹ کا مددگار چیخا۔" کیا اس جہاز میں ایک کے بجائے دو پاگل موجود ہیں؟"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ اُس آدمی کے پاس بم ہے؟" کیپٹن نے ہیٹی سے پوچھا۔

"خود اُسی نے بتایا ہے۔" ہیٹی نے کہا "اُس کے پاس ایک سرخ ڈبا ہے، وہ اُس نے گھٹنوں پر رکھا ہوا ہے۔ ڈبے کے پہلو سے ایک لیور جیسی چیز باہر جھانک رہی ہے۔ پاگل کی ایک انگلی لیور پر رکھی ہوئی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں انگلی کی ذراسی جنبش میں بم سے جہاز اُڑا دوں گا۔"

"آخر کیوں؟"

"غالباً وہ ذہنی مریض ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ ہم سب شیطان ہیں اور ہم سے شیطانی افعال سرزد ہوتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ شیطانوں کو ٹھکانے لگانا ایک نیک کام ہے۔ وہ بائبل کی چند آیات کا حوالہ دے کے کہہ رہا تھا کہ ہمیں اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ وہ گالیاں بھی بک رہا تھا۔ کیپٹن تمھیں فوراً کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ میں کسی پاگل کی وجہ سے موت کے منہ میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"کیا باقی مسافروں کو بھی یہ بات معلوم ہوگئی ہے؟"

"غالباً ابھی نہیں لیکن لوگوں کے کان بند تو نہیں ہیں۔" وہ کانپنے لگی۔ اُس کا بھاری بھرکم جسم نازک پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ وہ بار بار اس طرح سب کے چہرے گھور رہی تھی جیسے خود بھی ذہنی توازن کھو بیٹھی ہو۔

"تم کیا کہتے ہو؟" کیپٹن نے ریوالور والے کی طرف دیکھا۔

اُس کا ہاتھ ریوالور کے دستے پر مضبوطی سے جم گیا۔ اُس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا رہے تھے، جلد ہی اُس نے خود پر قابو پالیا۔" یہ میرا نہیں، تمھارا مسئلہ ہے کیپٹن! تمھیں ایک کے بجائے دو مسائل حل کرنے ہیں، جاؤ۔ پہلے اُسے دیکھو۔"

"اگر وہ بم استعمال کرنے پر مصر رہا تو؟"

"دیکھا جائے گا، تم جاؤ تو سہی۔"

"سوسی!" کیپٹن ایئر ہوسٹس کی طرف متوجہ ہوا۔" تم جاکے دیکھو کہ کیا بات ہے، واپسی میں کافی لیتی آنا۔ کافی کی موجودگی میں یہ سمجھا جائے گا کہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔" وہ ہیٹی کی طرف گھوم گیا۔" کیا تمھیں یقین ہے کہ باقی مسافر اس امر سے لاعلم ہیں؟"

"میں نے بے حد احتیاط اور رازداری سے کام لیا ہے۔ میں بیوقوف نہیں ہوں۔ ایک لمحے کے لیے تو میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھی تھی لیکن صورتِ حال نے مجھے سنبھلنے پر مجبور کردیا تھا۔"

"تم سمجھ دار عورت معلوم ہوتی ہو۔" ریوالور والے نے تعریف کی۔

سوسی نے دروازہ بند کیا اور درمیانی راستے کی طرف چل دی۔ اُس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ وہ خود کو پُرسکون رکھنے کی انتہائی کوشش کررہی تھی۔ ویسے وہ چیخ چیخ کر دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بے چین تھی لیکن ایک سو دس مسافروں کی جانوں کا سوال تھا۔ اس لیے خاموش رہی۔ اُس نے بہت مشکل سے اپنے ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ بکھیری پھر وہ ایک سیٹ کے قریب سے گزری۔ ایک عورت نے اُس سے کچھ پوچھنا چاہا۔ عورت متفکر نظر آرہی تھی۔ سوسی نے جلدی سے کہا۔" کچھ نہیں خاتون! فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک مسافر کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ ہم نے ایئرپورٹ اطلاع بھیج دی ہے کہ ایمبولینس کا بندوبست کردیا جائے۔"

سوسی نے محسوس کیا کہ جہاز کے بیشتر مسافر تجسس کی نگاہوں سے اُسے گھور رہے ہیں۔ وہ بے تعلقی سے درمیانی راستے پر چلتی رہی۔

فلائنگ ڈیک پر ریوالور والا کہہ رہا تھا۔" کیپٹن! اُس دیوانے سے بم چھین لو۔ میرا خیال ہے یہ تمھاری ذمے داری ہے۔"

"یقیناً۔" کیپٹن نے تلخ لہجے میں کہا۔" تم بھی تو میری ذمے داری ہو۔ بہرحال کیا تم بتا سکتے ہو کہ بم کس طرح چھینا جائے؟ تم خود سن چکے ہو کہ اُس کی انگلی لیور پر رکھی ہوئی ہے۔" وہ ہیٹی کی طرف متوجہ ہوا۔" براہ کرم آپ اپنی سیٹ پر واپس جائیے مادام اور کوشش کیجیے کہ وہ پاگل بم استعمال کرنے سے باز آجائے۔ اُسے باتوں میں لگاتے رہیے۔ ممکن ہے، اُس کی توجہ بم سے ہٹ جائے۔ میں آپ پر اعتماد کررہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ یہ معاملہ جرأت سے سلجھانے کی کوشش کریں گی۔"

تعریفی جملے سے ہیٹی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ تروتازہ دکھائی

دینے لگی۔ "ٹھیک ہے کیپٹن! میں کوشش کروں گی۔" اُس نے ریوالور والے کی طرف دیکھا۔ غالباً یہاں کی کیفیت کا اُسے پہلی بار احساس ہوا۔ "یہ شخص یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"براہِ کرم اپنی آواز دھیمی رکھیے۔" کیپٹن نے گھبرا کے کہا۔ "یہ ایک حفاظتی افسر ہے، آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اُس پاگل کو کچھ دیر کے لیے باتوں میں اُلجھائے رکھیے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ریوالور والا حفاظتی افسر کے خطاب سے زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ ہیٹی نے غالباً کیپٹن کی بات پر یقین نہیں کیا تھا۔ وہ براہِ راست ریوالور والے کی طرف متوجّہ ہوئی اور بولی۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو مسٹر!"

ریوالور والا خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔ ہیٹی نے کیپٹن سے پوچھا۔ "یہ ریوالور تمھاری طرف کیوں تانے کھڑا ہے؟"

"یہ مذاق کر رہا ہے۔" کیپٹن نے کہا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو افسر! اس وقت ہم سب ایک خطرناک مسئلے سے دوچار ہیں۔ ممکن ہے تمھارے ریوالور کی جھلک دیکھ کر وہ پاگل بم کا لیور فوراً دبا دے۔"

اُس نے قدرے تذبذب سے ریوالور جیب میں رکھ لیا لیکن کیپٹن نے محسوس کیا کہ جیب میں بھی ریوالور کا رُخ اُسی کی جانب ہے۔ وہ ایک ماہر نشانے باز دکھائی دیتا تھا لیکن کیپٹن کو اس وقت ایک ہوش مند ریوالور والے سے زیادہ ایک پاگل بم والے کی فکر تھی۔ ریوالور والے نے پُرسکون لہجے میں اُس سے کہا۔ "میں صورتِ حال کی نزاکت سمجھ رہا ہوں لیکن اس معاملے کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ اس دوران میں تم میرے ساتھ رہو گے۔"

کیپٹن نے اثبات میں سر ہلایا۔ ریوالور والے نے کہا۔ "میں تمھاری ذہانت کا قائل ہوں کیپٹن، اس لیے مجھے تم سے کسی حماقت کی توقع نہیں ہے۔"

اُس نے جیب سے ریوالور کی نال نمایاں کی۔

سوسی کافی کی ٹرے لیے ہوئے آگئی۔ اُس کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ چہرہ اور زرد ہو گیا تھا۔ "مادام کا بیان درست ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں نے پاگل سے کافی کے بارے میں پوچھا تو اُس نے آسمانی باتوں کا حوالہ دیا اور نہ جانے کیا بڑبڑانے لگا۔ اُس کی اُنگلی ایک لیور پر رکھی ہوئی ہے۔ لیور سُرخ ڈبّے سے جھانک رہا ہے۔ سُرخ ڈبّا اُس کے زانوؤں پر رکھا ہوا ہے۔"

پائلٹ روم میں ہر آدمی ایک دوسرے کی صورت دیکھ کے رہ گیا۔ اچانک کیپٹن کی نگاہ موسمی آلے کی طرف گئی۔ "اوہ طوفان آنے والا ہے، یہ تیسری آفت ہے، نہ جانے آج سب آفتوں نے یہی جہاز کیوں منتخب کر لیا ہے۔" سب کی نگاہیں موسمی آلے کی طرف اٹھ گئیں۔ ریوالور والا شخص بھی اب پریشان نظر آ رہا تھا۔ "خیال رکھنا فرینک۔" کیپٹن نے مددگار پائلٹ سے کہا۔ "میں اُس پاگل کو دیکھنے جا رہا ہوں۔ خاتون! براہِ کرم

"اگر میں نے چھوڑ دیا تو یہ مجھے دوبارہ مارے گا۔"

آپ اپنی سیٹ پر جا کے بیٹھ جائیے اور اُس پاگل کی توجّہ بٹانے کی کوشش کیجیے۔ اگر وہ لیور سے اُنگلی ہٹانے پر آمادہ نہ ہو تو کیا آپ کسی طرح اُس سے بم کا ڈبّا چھین سکتی ہیں؟"

"لیکن کیپٹن اس کوشش میں ہم سب تباہ ہو سکتے ہیں۔" ہیٹی نے کہا۔ "میں اب موٹی اور بھدّی ہو چکی ہوں۔ اس کے باوجود پھرتیلی ہوں۔ مجھے ذرا بھی موقع مل گیا تو میں اُس سے وہ تباہ کن ہتھیار چھین لوں گی۔ میرے بعض دوستوں کا خیال ہے کہ میں اُڑتی ہوئی مکھی جھپٹ سکتی ہوں۔ بہرحال میں کوشش کروں گی۔ تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔"

"ہماری آخری اُمید آپ ہی پر لگی ہوئی ہے۔" کیپٹن نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر آپ کی جگہ وہاں کسی اور نے بیٹھنے کی کوشش کی تو ممکن ہے پاگل بدک جائے۔ ایک مایوس آدمی ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ میں اور سوسی کوشش کریں گے کہ وہ لیور سے ہاتھ ہٹا لے۔ اس دوران میں آپ موقع کی تاک میں رہیے گا اور کوئی معمولی موقع بھی ضائع نہ کیجیے گا۔" ہیٹی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔ کیپٹن مطمئن تھا کہ ہیٹی ایک بہادر عورت ہے۔ وہ ایئر ہوسٹس کی طرف متوجّہ ہوا۔ "سوسی! تازہ کافی تیار کر کے اُس پاگل کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ کافی کی پیالی لے لے گا تو اُس کا ہاتھ لیور سے ہٹ جائے گا۔ اُس وقت یہ خاتون بم کا ڈبّا حاصل کر لیں گی۔ اگر وہ کافی پینے پر آمادہ نہ ہوا تو کافی کی پیالی دانستہ اِن خاتون کی گود میں اُلٹ دینا۔ اس صورتِ حال سے پاگل بوکھلا جائے گا اور اُس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر لیور سے ہٹ جائے گا۔ اس طرح ہماری مددگار خاتون کو ڈبّا اُڑانے کا موقع مل سکتا ہے۔"

"مگر اس طرح لیور دب بھی تو سکتا ہے۔" ریوالور والا غرّایا۔ "یہ تم کیسی

احمقانہ منصوبہ بندی کر رہے ہو کیپٹن! کیا تم واقعی جہاز تباہ کرانا چاہتے ہو؟"

"اچھا تو کیا تم اس سے بہتر کوئی تدبیر بتا سکتے ہو؟" کیپٹن کا لہجہ ناخوش گوار تھا۔ "یہ لاکھ احمقانہ منصوبہ سہی لیکن اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے؟"

"میں اُس پاگل کو گولی مار کے ہلاک کر سکتا ہوں۔"

"اس طرح ہمارے علاوہ تم خود بھی جہنم رسید ہونا چاہتے ہو۔" کیپٹن کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"میں اُس کے پیچھے پہنچ کے گولی چلاؤں گا۔"

"گویا وہ سامنے کی طرف گرے گا اور اُس کا سارا بوجھ لیور پر ہوگا۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔" ریوالور والے نے بے بسی سے کہا۔ "خیر جو دل چاہے کرو۔ میں فی الحال کچھ نہیں سوچ سکتا لیکن یاد رکھو تمھیں اس پاگل سے نمٹ کر جلد از جلد میرا مطالبہ پورا کرنا ہے۔"

"میں بھولا نہیں ہوں۔" کیپٹن ریڈیو افسر کی طرف متوجہ ہوا۔ "کیا تم نے اب تک کی تمام باتیں وائرلیس پر بتا دی ہیں؟"

"ہاں۔ ایئرپورٹ والے پاگل مسافر کا نام معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"عجیب بات ہے، میں حیران ہوں کہ سوسی نے اُس کا نام کیوں نہیں بتایا۔"

"خاتون اپنی نشست پر بیٹھ چکی ہیں کیپٹن! اور انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ وہ اُس پاگل سے بات چیت کر رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے، آؤ ہم بھی چلیں۔"

کیپٹن آہستگی سے درمیانی راستے پر پہنچا۔ ریوالور والا اُس کے پیچھے تھا۔ اُس کا ہاتھ جیب میں رکھے ہوئے ریوالور پر جما ہوا تھا۔ کیپٹن نے اپنی زندگی میں اتنا چاق و چوبند آدمی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُس کی نگاہ ایک لمحے کے لیے بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوئی۔ کیپٹن نے دیکھا کہ مسافر پُرسکون ہیں۔ اُن میں سے بعض اونگھ رہے تھے اور بعض رسائل اور کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے، البتہ چند شک کی نگاہ سے اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "ہم صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے سیدھے آگے بڑھ جائیں گے۔" کیپٹن نے کندھے کے اوپر سے ریوالور والے کو مخاطب کیا۔ "جب ہوسٹس کافی لے کر آئے گی تو ہم اُس کا تعاقب کریں گے، سمجھ رہے ہو نا؟"

ریوالور والا خاموش رہا۔ کیپٹن نے محسوس کیا کہ وہ پوری طرح مستعد ہے۔ کیپٹن درمیانی راستے پر آگے بڑھتا رہا۔ وہ ہیٹی کے قریب پہنچ گئے۔ ہیٹی پاگل کی باتیں غور سے سُن رہی تھی۔ پاگل ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اُس کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ بڑھی ہوئی داڑھی کی وجہ سے وہ کچھ اور بھیانک دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کے گھٹنوں پر ایک سُرخ ڈبّا تھا۔ ڈبّے سے لیور نکلا ہوا تھا۔ پاگل کی ایک انگلی لیور پر جمی ہوئی تھی۔ کیپٹن اُس کی ایک بھی بات نہیں سن سکا تھا لیکن اُس کے ہونٹوں کی حرکت سے اُسے دیوانگی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

کیپٹن ہیٹی کی طرف دیکھ کے مسکرایا۔ "خاتون آپ ٹھیک ٹھاک ہیں؟ سفر کیسا گزر رہا ہے؟"

ہیٹی نے اثبات میں سر ہلایا۔ دیوانے نے سُرخ آنکھوں سے کیپٹن کی طرف دیکھا۔ کیپٹن کے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ اُسی لمحے سوسی کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے سامنے آئی۔ وہ کافی کی پیالیاں تقسیم کرتی ہوئی ہیٹی کے پاس پہنچی۔ "آپ کافی پینا پسند کریں گی خاتون؟" سوسی نے پوچھا۔ "اور آپ جناب؟" وہ پاگل کی طرف متوجہ ہوئی۔

"شکریہ۔" ہیٹی نے کافی کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

سوسی نے کافی کی پیالی اُس کی طرف بڑھائی۔ اچانک اُس کا ہاتھ کانپ گیا اور پیالی اُلٹ گئی۔ سوسی نے ٹرے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ اُس کے ہاتھ سے نکل کر بم والے ڈبّے پر جا گری۔ اُسی لمحے ریوالور والے نے لپک کر ڈبّا اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ کراہ کر ڈھیر ہو گیا۔ وہ سیٹ کی درمیانی جگہ گر پڑا۔ ہیٹی اپنے بھاری بھرکم جسم کے ساتھ اُس کے اوپر بیٹھ گئی تھی۔ دُبلا پتلا ریوالور والا اُس کے نیچے بالکل چھپ گیا تھا۔ پاگل نے ہاتھ بڑھا کے اُس کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔

کیپٹن اور ایئر ہوسٹس کچھ دیر تو گومگو کی حالت میں کھڑے رہے۔ پھر اصل معاملے کا احساس ہوتے ہی اُن کے ہونٹ کھل اُٹھے۔ ہیٹی نے ریوالور والے کو چھوڑ دیا۔ پاگل نے ریوالور کی نال اُس کی طرف اُٹھا دی تھی۔ ریوالور والا بڑبڑایا۔ "اوہ — تو یہ بات تھی۔ مجھ سے فریب کیا گیا ہے۔"

"ہاں۔" ہیٹی نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے تمھیں ایئر ہوسٹس کے ساتھ پائلٹ روم کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ہوسٹس گھبرائی ہوئی تھی۔ اُس کی گھبراہٹ سے صورتِ حال کا تھوڑا بہت اندازہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ یقین کرنے کے لیے میں خود پائلٹ روم میں پہنچی۔"

"کیا تم ہیٹی ہو، فلمی اداکارہ؟" کیپٹن نے اُس سے پوچھا۔

"ہاں لیکن افسوس کہ میں اب پہلے جیسی خوب صورت نہیں ہوں۔" اُس نے پاگل کی طرف اشارہ کیا۔ "ان سے ملو کیپٹن! یہ میرے شوہر ہارڈی ہیں، کیریکٹر ایکٹر۔ تم نے ان کی بھی کئی فلمیں دیکھی ہوں گی۔"

"اور یہ بم کا ڈبّا؟"

"اوہ کچھ نہیں۔" ہارڈی پہلی مرتبہ بولا۔ "یہ موسیقی کا ایک آلہ ہے۔ میں سفر کے دوران میں موسیقی سے محظوظ ہونا پسند کرتا ہوں۔ اس لیے یہ ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں۔" اُس نے لیور دبایا۔ جہاز کی فضا میں والز کی ایک مسحور کن دُھن گونجنے لگی۔